ہم نے اسلام کیسے قبول کیا

بین الاقوامی مسلم نوجوانوں کی سچی کہانیاں

مرتب

امتیاز احمد

(ماسٹر آف فلاسفی (لندن))

مدینہ منورہ

ہم نے اسلام کیسے قبول کیا

مصنف: .... امتیاز احمد
شہریت: .... امریکی
تعلیم: .... ماسٹر آف فلاسفی (لندن)

تجربہ:

۱۔ ہیڈ آف فزکس ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ ڈگری کالج، اسلام آباد، پاکستان
۲۔ پرنسپل اسلامک اسکولز۔ امریکہ
۳۔ جنرل منیجر مرسی انٹرنیشنل (Mercy International) اسلامی رفاعی ادارہ امریکہ
۴۔ بانی توحید مسجد آف فارمینگٹن ہل میشیگن (Farmington Hill Michigan)
اینڈ توحید مسجد آف ڈیٹرائٹ میشیگن امریکہ (Detroit Michigan)
۵۔ مشیر عریبین ایڈوانس سسٹمز، سعودی عرب (Arabian Advanced Systems)

مصنّف کا پتہ: ص۔ب: ۴۳۲۱، مدینہ منورہ۔ سعودی عرب
ای میل: imtiazahmad_100@yahoo.com

نوٹ: آپ اپنے تاثرات بذریعہ ای میل مصنف کو بھیج سکتے ہیں۔

منسٹری آف انفارمیشن سعودی عرب کا اجازت نامہ

امتیاز احمد، ۱۴۲۴ھ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
احمد، امتیاز
بين الأقوامي مسلم نوجوان / امتیاز احمد - المدينة المنورة، ۱۴۲۴ھ
۱۱۲ص، ۲۱سم
ردمك: ۳-۹۰۰-۴۳-۹۹۶۰
۱۔ اعتناق الاسلام - قصص ۲۔ الدعوة الاسلامية أ۔ العنوان
ديوى ۲۱۳ ۱۰۴۹ / ۴۲۴
رقم الايداع: ۱۰۴۹ / ۴۲۴
ردمك: ۳-۹۰۰-۴۳-۹۹۶۰
طابع: احمد گرافکس، کراچی، پاکستان، ای میل: info@ahmedgraf.com

فہرست

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ أما بعد:

میری خوش قسمتی ہے کہ امریکہ میں چھبیس سال قیام کے دوران مجھے بہت سے امریکی مسلمانوں سے ذاتی اور سماجی طور پر ملنے جلنے کا موقع ملا، میرا ان سے تعلق نہایت قریبی اور برادرانہ تھا اور میری ان کے گھروں میں اکثر آمدورفت رہتی تھی، یہ نہ صرف میرے لئے باعثِ عزت وفخر تھا بلکہ اس سے میرے کمزور ایمان کو بہت تقویت پہنچی، مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تردد نہیں کہ امریکہ میں منتقل ہونے کے بعد دیگر ایسے ہی مہاجرین کی طرح میں دینی احکام پر زیادہ کاربند ہوگیا اور بحیثیت مجموعی بہتر مسلمان بن گیا، اس تبدیلی کا سہرا ان نئے مسلمانوں کے سر ہے جن کی اکثریت مجھ سے دینی تعلیم اور عمل میں افضل واعلیٰ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان جیسی توفیق عطا فرمادیں۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں جن نئے مسلمانوں کا ذکر ہے ان میں سے اکثر امریکہ کی مسلم سوسائٹی کے عام رکن ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ مسلمان نہ صرف اپنی زندگیوں میں ایک عظیم تغیر لے آئے، بلکہ ان کے اردگرد دوسرے افراد بھی ان سے بہت مستفید ہوئے۔ یہ مقامی ہیرو ہیں، ان کو جاننا پہچاننا اور ان کی عزت افزائی ہمارا فرض ہے، ان کے اعلیٰ کردار کے باعث ہی امریکی سوسائٹی بتدریج بدل رہی ہے اور یہی وہ مثبت تغیر ہے جس کو دیکھ کر وہاں کے دیگر مذاہب حیران ہیں اور قدرے خائف بھی، مثال کے طور پر بہت سے خطرناک قیدی اپنی اسارت کے دوران اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سلجھ جاتے ہیں، اسی لئے مسلمانوں کو ان قید خانوں میں تبلیغ کی اجازت آسانی سے مل جاتی ہے۔

اس کتاب میں صرف چند مسلمانوں کا ذکر ہے جن کا مجھ سے قریبی تعلق رہا، دراصل ایسے ہی ہیرو امریکہ اور کینیڈا کے ہر شہر اور قریے میں موجود ہیں، وہ ہم جیسے پیدائشی اور روائتی مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں، اس پر طرہ یہ کہ وہ امریکی سوسائٹی کو نہایت خاموشی کے ساتھ دن بدن سنوار رہے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل، ان مسلمانوں کے اِخلاق اور صبر استقامت کا مظہر ہے اس کتابچہ کے لکھنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ روائتی مسلمانوں کو جھنجھوڑے تاکہ وہ بھی نئے مسلمانوں جیسے جوش وخروش اور ولولے سے اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہو جائیں، تعجب کی بات ہے کہ بعض غیر مسلم اپنے مذہب کے بودے پن کے باوجود اپنی قوم وملت کی مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر خدمت کرتے ہیں، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

میں امریکہ کے ایک ہائی اسکول میں ریاضی کے ٹیچر کے طور پر کام کررہا تھا، ہائی اسکول میں پڑھانا کافی مشقت طلب ہوتا ہے اکثر اساتذہ کے آخر تک قدرے تھک جاتے ہیں، اس تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں سال کے اختتام پر ایک مشترکہ کھانا تیار کیا جاتا تھا جس کا امریکی نام سلاپی جو (Sloppy joe) تھا، یہ قیمہ، ٹماٹر، پیاز اور معمولی سی مرچ سے تیار ہوتا ہے میرے ساتھیوں کو یہ بہت پسند تھا، اور اسے ہم اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں سلو کوکر (slow cooker) میں تیار کرتے، میں نے اپنے رفقاء میں بلند آواز سے اعلان کیا کہ اب کی بار قیمہ میں لاؤں گا، سب اس پر فوراً متفق ہو گئے اور اللہ اللہ کر کے کھانا تیار ہو گیا۔

ہمارے ساتھیوں میں ایک ٹیچر کا نام سنڈی (Cindy) تھا، وہ طبیعت کی بہت اچھی تھی اور بے تکلف تھی، مجھے معلوم تھا کہ وہ یہودی ہے، کھانے کی میز پر میں نے سنڈی سے کہا کہ: کیا یہ تمہاری خوش قسمتی نہیں کہ میں قیمہ لایا ہوں جو ہم دونوں کے لئے کھانا جائز ہے، سنڈی نے فوراً کہا: مسٹر احمد میں بڑی خراب یہودی ہوں کیونکہ میں تو سور بھی کھا لیتی ہوں جو کہ یہودی مذہب میں قطعاً حرام ہے، میں نے اس بات کو طول نہ دی تاکہ مذہب کی بات چیت سے اس کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

پھر ہم نے مکان، دکان اور جائداد یعنی رئیل اسٹیٹ کی خرید وفروخت کی بات چیت

شروع کر دی کیونکہ ہم دونوں کے پاس یہ کام کرنے کا لائسنس بھی تھا، سنڈی پارٹ ٹائم یہ کام بھی کرتی تھی۔ سنڈی کہنے لگی: میرے علاقہ میں مارکیٹ اچھی ہے، اسکول کے بعد مجھے بہت کام کرنا ہوتا ہے میں اپنے خاوند کے پرائیویٹ رئیل اسٹیٹ ادارہ سے منسلک ہوں، چونکہ میرے خاوند بطور کرنل ملٹری ہیڈ کوارٹر میں بھی کام کرتے ہیں اس لئے اس ادارہ کا اکثر کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے، میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے سنڈی سے پوچھا کہ میں نے تمہیں شام کو باسکٹ بال اور دوسرے کھیلوں کے دوران ڈیوٹی پر کبھی نہیں دیکھا، جھٹ کہنے لگی: یہاں کا محکمہ تعلیم مجھے اس ڈیوٹی کیلئے مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ مجھے اپنے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کے بچوں کو ہفتے میں تین بار یہودی اسکول (Hebrew) کی تعلیم کے لیے لیکر جانا ہوتا ہے، میں یہ کام کئی سال سے اپنی قوم وملت اور مذہب کے لئے اعزازی طور پر کررہی ہوں۔

میں دل میں سوچنے لگا کہ یہ عورت ہر روز تقریباً پینتالیس منٹ اپنی کار چلا کر یہاں اسکول پہنچتی ہے اور اسی طرح واپس گھر جاتی ہے، یہ جائیداد کی خرید وفروخت کے کام بھی تندہی سے کررہی ہے اس کے علاوہ وہ اپنی فیملی اور سماجی زندگی سے بھی دوچار ہورہی ہے، ان سب مصروفیات کے باوجود اس کے دل میں اپنی قوم وملت کے لئے اتنا درد ہے کہ یہودی اسکول میں بچوں کو لے کر جاتی ہے، حالانکہ وہ خود ہی اپنے آپ کو خراب یہودی کہہ رہی ہے۔

میں دل ہی دل میں اپنے اخلاص اور عمل کو پرکھنے لگا، اسی طرح اپنے گرد دوسرے بعض مسلمان بھائیوں کے حالات پر بھی نگاہ گئی، اور میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہم اعلیٰ دین والوں کو بھی اعلیٰ کارکردگی کی توفیق عطا فرما۔

غیر مسلم دانشور بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں تعصب کو بہت فروغ دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ انسان ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اور جب اس پر معمولی سی حقیقت کھلتی ہے تو بے تابی سے کہہ اٹھتا ہے کہ: مجھے اس سچائی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے کیوں روکا گیا؟ یہ سراسر ناانصافی ہے! اس کی دو بڑی وجوہات ہیں:

ایک یہ کہ: اکثر لوگ آباؤ اجداد کے مذہب کی اندھا دھند پیروی والدین کی تعظیم کا جزو

سمجھتے ہیں اور اس طرح ایک تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں، علاوہ ازیں تہذیبی اور معاشرتی بندھن بھی ذہنوں کو مفلوج کر دیتے ہیں، ان قدیم بندھنوں کو توڑ کر باہر چھلانگ لگانے کے لئے بہت جرأت اور وسعتِ قلبی درکار ہے۔

جو لوگ بھی اپنے ضمیر کی اندونی آواز پر حق کے متلاشی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضرور کامیابی سے سرفراز فرما دیتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ (سورۃ العنکبوت: ۶۹)

(جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے)۔

لیکن اس کامیابی و کامرانی کے بعد وہ اپنی صلاحیتوں پر فخر نہیں کرتے بلکہ خشوع وخضوع، عجز وانکسار سے ان کی گردن اور بھی جھک جاتی ہے، اور وہ کہہ اٹھتے ہیں:

وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَ مَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ

(سورہ الاعراف: ۴۳)

(اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔ اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب نہ کرتے)۔

دوسری بات جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ: ابتدائے آفرینش سے بعض قوتیں حق کو دبانے کی کوشش کر رہی ہیں، جس کے لئے وہ ہر زمانے میں نئے نئے طریقے اختیار کرتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا قول ہر زمانے پر حاوی ہے:

وَ یَمۡكُرُوۡنَ وَ یَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰكِرِیۡنَ (الانفال: ۳۰)

(وہ تو اپنی تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کرتے ہیں، اور سب سے مستحکم تدبیر والے اللہ ہیں)۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

چنانچہ دنیا کے ہر ملک میں ہر روز کئی افراد اور کنبے دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

اس کتاب میں چند ایسے ہی احباب کی مثالیں دی گئی ہیں جو کہ بہت ایمان افروز ہیں، اور یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، نفسیاتی دباؤ، شیطانی وسوسے، معاشرتی اور تہذیبی بندھن، دوستوں اور رشتہ داروں کی پیشانیوں کے بل جان لیوا بن جاتے ہیں، لیکن سچائی کی مٹھاس آخر دل موہ لیتی ہے، اور ان سب مشکلات کو ایک ہی ٹھوکر سے شکستِ فاش دے دیتی ہے، انسان کو ایک دلی سکون اور طمانیت مل جاتی ہے، جو کہ اس کے چہرے، چال ڈھال اور لین دین سے نمایاں ہوتی ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے یہ تجربات لکھنے کی توفیق دی، میں خاص کر اپنی اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر صوفیہ احمد کا بے حد ممنون ہوں کیونکہ انہوں نے میری کئی خامیوں کے باوجود اسلامی کام کاج میں میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی، علاوہ ازیں محمد یونس بٹ صاحب اور بشیر احمد بٹ صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ان بکھرے ہوئے اوراق کو ایک کتاب کی شکل میں پیش کرنے میں میری بہت مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس معمولی کوشش کو قبول فرمائے، علاوہ ازیں جو بھی اس سے ہدایت پائیں وہ بھی ہم دونوں اور ہمارے والدین کے لئے بطورِ صدقہ جاریہ قبول فرما دیں۔ آمین۔

امتیاز احمد، مہاجر مدینہ منورہ　　　رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

عبداللہ (Abdullah)

ایک امریکی فوجی کا قبول اسلام

جب عبداللہ صاحب سے میرا تعارف ہوا وہ اس وقت تقریباً ۲۵ سال کے ہوں گے، وہ ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد امریکی آرمی میں بھرتی ہوگئے جہاں انہوں نے تھوڑا بہت ٹیکنیکل کام سیکھ لیا، اب وہ آرمی سے فارغ ہوکر فوٹو کاپی اور فیکس مشینوں کی اصلاح کا کام کرتے ہیں جس سے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

گوان کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے لیکن ان کی اسلامی عمل وفکر میں ترقی کی روداد اس سے بھی زیادہ دلکش ہے اور ہم سب کے لئے مشعلِ راہ بھی۔

۱۹۹۰ء میں متحدہ افواج اور عراق کی جنگ کے دوران عبداللہ صاحب امریکی آرمی کے ساتھ سعودی عرب آئے، اور ایک دن کچھ ضرورت کی اشیاء خریدنے بازار گئے، انہوں نے دوکاندار سے ایک چیز کی قیمت طے کی اور پیسے ادا کرنے کو ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی تو دوکاندار نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اور صرف اتنا کہا: ''خلاص'' یعنی بس، پھر فی الفور دوکان بند کر کے مسجد چلا گیا، عبداللہ صاحب کا کہنا ہے کہ میں وہاں ہکا بکا کھڑا رہ گیا، یہ بات ذرا بھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ جب میں نے اس چیز کے پیسے طے کر لئے تھے اور قیمت ادا کرنے کو ہی تھا تو اس دوکاندار نے مجھ سے پیسے لینے سے انکار کیوں کیا؟ پیسے وصول کرنے کو تو ہر ایک کا دل چاہتا ہے، عبداللہ صاحب کا اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص سے واسطہ نہ پڑا تھا جو پیسوں کی وصولی میں بے اعتنائی برتے، بلکہ اس نے یہی دیکھا تھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح پیسے کی دوڑ میں سبقت لے جانا چاہتا ہے، اس لئے عبداللہ صاحب کو یہ دوکاندار بہت عجیب سا لگا،

ساتھ ہی عبداللہ صاحب نے اس پہلو پر سوچنا شروع کیا کہ یہ مذہب کیسا ہے؟ اذان کی آواز سنتے ہی اس کے ماننے والے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد کو روانہ ہوجاتے ہیں، اس مذہب کی ایسی ہی انوکھی چیزوں کا پتہ لگانا چاہئے۔ اس طرح سے عبداللہ صاحب کے دل میں اسلام کے بارے میں تجسس پیدا ہوا، جنگ کے بعد واپس آئے اور نیویارک کے علاقہ میں مقیم ہوئے، آہستہ آہستہ اسلام کے بارے میں مزید تفصیل حاصل کی، انہیں ایک اللہ کی عبادت کا نظریہ بہت اچھا لگا، اور چونکہ عبداللہ صاحب کا تعلق ایک افریقی خاندان سے تھا، ان کا دل اسلام میں مساوات اور ایک دوسرے کے احترام سے بھی بہت خوش ہوا، عبداللہ صاحب اللہ کے فضل سے مسلمان ہوگئے، ان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں اسی علاقہ میں ایک بہت اچھے استاد مل گئے جنہوں نے انہیں نہ صرف بنیادی اسلامی تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ انہیں قرآن پاک کی تلاوت صحیح قواعد اور لہجے کے ساتھ سکھائی۔

عبداللہ صاحب سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب وہ آرمی کو چھوڑ کر کام کاج کے سلسلے میں نیویارک سے ڈیٹرائٹ شہر منتقل ہوئے اور توحید مسجد ڈیٹرائیٹ میں اکثر نمازوں میں نظر آتے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں اس وقت اس مسجد کا اعزازی طور پر انچارج تھا، کسی مسجد یا دیگر مذہبی ادارے کا کام چلانا بہت مشکل کام ہوتا ہے آئے دن نئی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں، ان کا منصفانہ حل تلاش کرنا اور پھر اس کو لاگو کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، میرے اور عبداللہ صاحب کے درمیان کئی بار کشیدگی ہوئی، ہم دونوں اپنے اپنے طور پر مخلص تھے لیکن سوچ میں قدرے فرق تھا، اللہ کے فضل وکرم سے ہماری باہمی مشکلات بتدریج دور ہوگئیں، حقیقت یہ ہے کہ کسی سے دن میں کئی بار اللہ کے گھر میں ملیں اور اس سے کشیدگی ہو، یہ امر دل وجان پر بہت ہی گراں ہوتا ہے، انتہا درجے کے صبر واستقامت کے بغیر اس امتحان میں کامیاب ہونا ناممکن ہے، آیئے اب آپ میری اور عبداللہ صاحب کی باہمی مشکلات کا جائزہ لیں:۔

چونکہ عبداللہ صاحب اکثر نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے تھے اس لئے میں چاہتا تھا کہ وہ مسجد کے بعض امور میں حصہ لیں، ایک دن میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اذان دیں،

عبداللہ صاحب کہنے لگے کہ میں مسجد کے باہر سڑک پر کھڑے ہو کر اذان دوں گا، میں نے انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم نے اس بلڈنگ میں مسجد قائم کرنے کے لئے قانونی طور پر لائسنس حاصل کرنے کی درخواست دے رکھی ہے اور اس سلسلہ میں ڈیٹرائٹ کی بلدیہ یہاں کی پبلک کے اعتراضات اور شکایات سننے والی ہے، اس لئے آپ مہربانی کر کے مسجد کے اندر ہی اذان دیں، عبداللہ صاحب نے میری بات کی ذرا پرواہ نہ کی اور باہر اذان دینے پر مصر ہوئے ان حالات میں مَیں نے عبداللہ صاحب کو مخاطب ہو کر نہایت سنجیدگی سے کہا: آپ کو یہاں کی مشکلات کا بالکل ادراک نہیں مجھے یہاں کی پبلک اور ان کے وکیلوں کے علاوہ ڈیٹرائٹ کی بلدیہ کے مختلف محکموں کی قانونی کارروائی اور فائر ڈیپارٹمنٹ کا سامنا کرنا ہوتا ہے، آپ لوگ یہاں آ کر بس نماز پڑھ کر گھر چلے جاتے ہیں، یوں بھی ہمیں غیر مسلم پڑوسیوں کو مشتعل نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان کو تازہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، میرے اس لیکچر کا عبداللہ صاحب پر قطعی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔ مجبوراً میں نے ایک اور بھائی سے اذان کی درخواست کی، نماز پڑھ کر ہم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ میرے محدود علم کے مطابق پورے امریکہ میں صرف ایک مسجد ایسی ہے جسے اپنا لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر رکھنے کی اجازت ہے، اور یہ اجازت حاصل کرنے کے لئے مسجد کے منتظمین کو امریکی عدالت میں مقدمہ لڑنا پڑا، اور عدالت نے یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں اس لئے دیا کہ مسجد کے اردگرد زیادہ تر مسلمان ہی بستے ہیں، یہ مسجد ڈیربارن، میشیگن (Dearborn, Michagan) میں واقع ہے۔

عبداللہ صاحب نے چاہا کہ وہ مسجد کی چابی مستقل طور پر اپنے پاس رکھیں، میں نے انہیں بتایا کہ مسجد نماز کے وقت کھلی رہتی ہے اس لئے زیادہ لوگوں کے پاس چابیاں رکھنا ضروری نہیں، کسی کی غلطی سے مسجد کے دروازے نماز کے بعد کھلے رہ سکتے ہیں اور یہ مسجد شاہراہ پر واقع ہے، چوری چکاری یا بم وغیرہ کی واردات ہوسکتی ہے، ہماری انشورنس کمپنی نے ہمیں تاکید کی ہے کہ چابیاں زیادہ لوگوں میں نہ بانٹیں، اگرچہ یہ بات نہایت معقول تھی لیکن عبداللہ صاحب کو اچھی نہ لگی۔

ابھی زیادہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ عبداللہ صاحب نے مجھ سے اپنے ایک مہمان کو رات میں مسجد میں ٹھہرانے کی اجازت چاہی، میں نے انہیں منع کر دیا، اور مزید یہ بھی کہا: آپ اپنے مہمان کو اپنے گھر کیوں نہیں ٹھہراتے؟ عبداللہ صاحب نے کہا: چونکہ گھر میں میری بیوی ہے، میں نے کہا: آپ کے مہمان کو میں اپنے گھر میں ٹھہرا لیتا ہوں، انہوں نے فوراً کہا: کیا تمہارے گھر میں تمہاری بیوی نہیں ہے؟ میں نے کہا: بیوی تو ہے پھر بھی میں مہمان کو ایک کمرہ میں ٹھہرا لوں گا، بصورتِ دیگر ہوٹل میں لے جاؤں گا اور رہائش کا کرایہ ادا کر دوں گا، عبداللہ صاحب غصے میں وہاں سے چل دیئے کیونکہ وہ صرف اپنی ہی سوچ کے مطابق حل چاہتے تھے، عبداللہ صاحب نے مجھے بعد میں بتایا کہ انہوں نے میرے بارے میں کئی دوسری مسجد کے منتظمین سے شکایت کی تھی، جس کی عبداللہ صاحب مجھ سے معافی مانگنے لگے، میرے اور عبداللہ صاحب کے درمیان اس چپقلش کے باوجود وہ مسجد میں با جماعت نمازیں ادا کرنے آتے رہے۔

عبداللہ صاحب نے قرآن پاک کی کئی سورتیں زبانی یاد کر لی تھیں اور ان کی تلاوت بھی بہت دلکش تھی، ایک دن میں نے ان سے کہا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھایا کریں، وہ ہر روز نئی سورتیں یاد کرتے ہر سورت کا رنگ اپنا ہی ہے عبداللہ صاحب کو قرآن پاک سے بہت محبت تھی اور ہر نئی سورت اور بھی پیاری لگتی، وہ عشاء کی نماز میں نئی یاد کی ہوئی سورت ہی تلاوت کرتے تھے، یہ قدرتی بات ہے کہ نئی یاد کی ہوئی سورت میں کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی ہے، عبداللہ صاحب سے بھی غلطی ہو جاتی تھی، مقتدیوں کو یہ بات اچھی نہ لگی، میں نے مقتدیوں کے اس اعتراض کا ذکر عبداللہ صاحب سے کیا، اور ان سے درخواست کی کہ وہ صرف وہ سورتیں نماز میں پڑھیں جو پہلے کی یاد کی ہوئی ہوں اور خوب پکی یاد ہوں، علاوہ ازیں ایک دن قبل وہ اپنی منتخب سورت مجھے بھی سنایا کریں تا کہ میں انہیں ان کی غلطیوں کی نشان دہی کر دیا کروں، عبداللہ صاحب میری اس تجویز سے متفق ہو گئے اور ہماری روزانہ کی مختصر نشست سے عبداللہ صاحب کی تلاوت کی غلطیاں بالکل ختم ہو گئیں اور مقتدی اس تبدیلی سے بہت خوش ہوئے، اس باہمی عمل سے ہم دونوں کو بھی ایک دوسرے کے اخلاص وایثار کا احساس ہوا اور ہمارے دل اتنے صاف ہوئے کہ ہم دونوں

قریب سے قریب تر ہو گئے۔

اب عبداللہ صاحب ایک نئی صورتِ حال سے دو چار ہو گئے، بہ حیثیتِ امام عشاء کی نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتے کیونکہ انہیں قرآن پاک سے خاص شغف تھا، ہر لمبی سورت کے بعد سورت اخلاص پڑھتے جس سے نماز کچھ مزید لمبی ہو جاتی تھی، مثلاً ایک دن نماز میں تقریباً بیس منٹ لگے، مقتدی اعتراض کرنے لگے، میں نے عبداللہ صاحب کو یہ باتیں بتائیں تو وہ کہنے لگے: میں ان صحابی کی طرح کرنا چاہتا ہوں جو بحیثیت امام ہر قرأت کے بعد سورت اخلاص پڑھتے تھے، میں نے کہا: جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ صحابی صرف ایک ہی رکعت میں ایسا کرتے تھے، عبداللہ صاحب نے فوراً کہا: میں نے ایک حدیث پڑھی ہے جس کے مطابق وہ دونوں رکعتوں میں قرأت کے بعد سورت اخلاص پڑھتے تھے، اس لئے میں ویسے ہی کرنا چاہتا ہوں، قصہ مختصر ہم عبداللہ صاحب کی لمبی قرأت کو کم نہ کر سکے۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ عبداللہ صاحب فجر کی سنتوں کے بعد مسجد کے فرش پر اپنی دائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے اور ان کا ایک ہاتھ سر کے نیچے تھا میں ان کی طبیعت کے بارے میں فکر مند ہوا تو میں نے ان کے قریب جا کر آہستہ سے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ کہنے لگے: میں بالکل ٹھیک ہوں صرف اس لئے لیٹا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ بھی فجر کی سنتوں کے بعد ایسے تھوڑا سا آرام فرمایا کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ صاحب جو کچھ قرآن وحدیث میں پڑھتے تھے اس پر بلا جھجک عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے تھے۔

عبداللہ صاحب کی گھریلو زندگی قابلِ رشک تھی، ان کی بیوی اور بیوی کی بہن نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا، اور ان کی بیوی کے کئی دوسرے رشتے دار بھی انہیں کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بچے عطا کئے، سب کی تلاوتِ قرآن بہت اچھی تھی، ان کا سب سے بڑا لڑکا تقریباً سات سال کا تھا اور اس نے کئی لمبی سورتیں زبانی یاد کر لی تھیں، اور وہ باقاعدگی سے باجماعت نماز ادا کرنے آتا تھا، یہاں تک کہ فجر کی نماز میں بھی موجود ہوتا، میں کسی اور شخص کو

نہیں جانتا جو اپنے کمسن بچے کو سردی، برف اور طوفان وغیرہ میں بھی باجماعت نماز ادا کرنے مسجد لایا کرتا ہو، عبداللہ صاحب اپنے بیٹے کو نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ہی قرآان پاک پڑھایا کرتے تھے ان کے بیٹے کا رویہ اور اخلاق قابلِ ستائش تھا، اور اس کی تلاوت قرآن اپنے والد صاحب کی طرح ہی دلکش تھی، وہ ایک پختہ عمر کے شخص کی طرح نہایت معقولیت سے پیش آتا، میرے خیال میں وہ بڑا ہو کر انشاء اللہ ایک اعلیٰ امام اور خطیب بنے گا۔

عبداللہ صاحب کی انگریزی تو پہلے ہی اچھی تھی، اسلامی تعلیم وتربیت اور مسلسل کوشش اور جدوجہد سے وہ ایک عظیم واعظ بن گئے ان کے الفاظ زبان کی نوک سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلتے، میں نے انہیں ایک جمعہ کا خطبہ دینے کی پیشکش کی، تو انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس شرط پر قبول کرلیا کہ وہ خطبہ لکھ کر پہلے مجھے سنائیں گے، انہوں نے توحید سینٹر ڈیٹرائٹ میں پہلا خطبہ دیا جو ماشاء اللہ بہت مؤثر تھا، خطبہ کے بعد میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف کے طور پر حاضرین کو مختصر طور پر بتایا کہ عبداللہ صاحب گلف کی جنگ کے دوران کیسے اسلام لائے اور یہ کہ ان کا بیٹا کتنی باقاعدگی سے باجماعت نمازوں میں شرکت کرتا ہے، جمعہ کے بعد جب عبداللہ صاحب نے اپنے خطبہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا: آپ نے ماشاء اللہ بہت اچھا خطبہ دیا، اور وقت کی قید کو بھی خوب ملحوظ خاطر رکھا جبکہ اکثر خطیب یاددہانی کے باوجود مقررہ وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں، آپ کو اس کامیاب خطبہ کی مبارک باد پیش کرتا ہوں، اس کے بعد وہ گھر چلے گئے، عشاء سے پہلے ہمارے امام ہانی صاحب نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ صاحب خاصے ناراض اور کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ امام صاحب کہنے لگے کہ آپ نے جمعہ کے بعد ان کی موجودگی میں ان کی تعریف کی، عبداللہ صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک حدیث کے مطابق یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے کسی بھائی کا گلہ کاٹنا، میں نے ہانی صاحب سے کہا: تم لوگ صرف ایک حدیث کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکال لیتے ہو، ایک اور حدیث کے مطابق ہر شخص کی عزت افزائی اور اکرام لازم ہے جتنا کہ وہ اس کا مستحق ہو، حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہ بار بار تلقین کی کہ لوگوں کی عزت افزائی اور جملہ حقوق میں کمی مت کرو، **وَلَا تَبْخَسُوا**

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (شعراء: ۱۸۳) (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو)

یہ آیت قرآن پاک میں ایک سے زائد جگہ آئی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف میں کسی رنگ آمیزی سے کام نہیں لیا، علاوہ ازیں سامعین کا یہ حق ہے کہ نئے خطیب کے بارے میں جان سکیں، عشاء کی نماز کے بعد میں نے یہ باتیں عبداللہ صاحب کی موجودگی میں دہرائیں تو وہ الحمداللہ کافی حد تک مطمئن نظر آئے۔

اس کے بعد عبداللہ صاحب کو نہ صرف اس مسجد میں ہر ماہ ایک خطبہ دینے کی مستقل ڈیوٹی مل گئی بلکہ توحید سینٹر فارمنگٹن ہل میں بھی ہر ماہ ایک خطبہ دینا طے پایا، سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں مساجد کے حاضرین وسامعین نے مجھے ذاتی طور پر کہا کہ انہیں عبداللہ صاحب کا خطبہ پسند ہے ان کا مستقل طور پر بطورِ خطیب تعین کیا جائے، یہاں اس بات کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ جس جمعہ کو عبداللہ صاحب خطیب ہوتے ہیں مسجد کو چندہ وعطیات زیادہ وصول ہوتے ہیں۔

ایک ماہ بعد میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف کے طور پر جمعہ کی نماز کے بعد نئے سامعین سے کہا کہ میں عبداللہ صاحب کی تعریف کے لئے نہیں کھڑا ہوا بلکہ سامعین کا حق ہے کہ ان کو نئے خطیب کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں، تعارف کے بعد میں نے کہا: انشاء اللہ آپ ہر ماہ یہاں خطبہ دیا کریں گے، لیکن ذمہ داری اور اتھارٹی دونوں لازم وملزوم ہیں، اس لئے میری غیر موجودگی میں امام ہانی صاحب اور نائب امام عبداللہ صاحب ہی مسجد کے انچارج ہیں، مختلف سوالات ومعاملات کے لئے ان سے رابطہ کیا جائے، اللہ کے فضل سے یہ دونوں احباب اپنی اس ذمہ داری کو بغیر کسی اجرت کے سالہا سال سے بدرجۂ اتم ادا کر رہے ہیں، یاد رہے کہ امریکہ کی تیز رو زندگی میں مذہبی ذمہ داریوں کے علاوہ مسجد کو بروقت کھولنا، بند کرنا، صفائی اور مرمت وغیرہ کرانا آسان کام نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے لوث خدمات کو قبول فرماویں۔

اب عبداللہ صاحب کے پاس نہ صرف مسجد کی چابی ہے بلکہ وہ اس کے ہر طرح سے ذمے دار بھی ہیں، ان کے فکر وعمل میں بھی کافی لچک آگئی اب وہ مسجد کے اندر ہی اذان دیتے ہیں اور اپنی پرانی روش اور سخت مزاجی پر مسکراتے ہیں۔

ایک دن فجر کی نماز کے بعد میں مسجد میں بیٹھا تلاوت کررہا تھا تقریباً صلوٰۃ الضحیٰ (اشراق) کا وقت تھا کہ عبداللہ صاحب ایک اور امریکی مسلمان کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد دعا سلام کی، انہوں نے مجھے بتایا کہ: وہ حج ادا کرنے کے بعد ابھی ڈیٹرائٹ پہنچے ہیں، میں نے اصرار کیا کہ میرے گھر ناشتہ کے لئے چلیں، عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ سفر سے سیدھے مسجد آئے ہیں ابھی گھر نہیں گئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب سفر سے واپس لوٹتے تو پہلے مسجد تشریف لے جاتے تھے، میرے لئے یہ بہت بڑی یاددہانی تھی، میں نے سوچا ہم میں سے کتنے پیدائشی اور روائتی مسلمان ہیں جو اس سنت پر عمل کرتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ:۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عبداللہ صاحب صرف نام کے عبداللہ اور مسلمان نہیں، بلکہ عملی طور پر سچے مسلمان اور اللہ کے بندے ہیں، اور ان کی سنتوں سے محبت اور قول وفعل کی یکسانی کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد آنے لگتی ہے۔

عبداللہ صاحب کو عربی پڑھنے اور بولنے کا بہت شوق تھا، انہوں نے مقامی کالج میں داخلہ لے لیا اور ڈاکٹر شیخ علی سلیمان صاحب کے زیر سایہ عربی کی مزید تعلیم حاصل کی، اور وہ مشرقِ وسطیٰ کے نمازیوں سے عربی میں بات چیت کرتے ہیں۔

عبداللہ صاحب کثیر العیال اور قلیل المال ہیں، ان کی آمدنی بہت محدود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قناعت عطا فرمائی ہے کہ ان حالات میں بھی وہ سب اہل وعیال کو روزانہ دینی تعلیم دیتے اور خود بھی مزید سورتیں یاد کرتے رہتے ہیں، خطبات تیار کرتے ہیں، غیر مسلموں کو تبلیغ کرکے انہیں اسلام کی نعمت سے آگاہ فرماتے ہیں، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

یاد رہے کہ ان کی دنیاوی تعلیم صرف ہائی اسکول تک محدود ہے، میں سوچتا ہوں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ سہولتوں سے نوازا ہے انہیں بہت بڑھ چڑھ کر اسلامی خدمات سرانجام دینی چاہئیں، دعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ مجھے اور اس مضمون کو پڑھنے اور سننے والوں کو دین سے ایسا ہی والہانہ تعلق اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جیمز ابیبا (James Abiba)

امریکی ہائی اسکول کے طالب علم کا قبول اسلام

۱۹۸۰ء کی بات ہے اس وقت میں واشنگٹن ڈی-سی (Washington D.C.) کے قریب ایک ملٹری چھاؤنی فورٹ میڈ (Ft. Meade) میں کام کررہا تھا، اور میری اہلیہ صاحبہ اس چھاؤنی میں ملٹری ہسپتال میں بطورِ ڈاکٹر متعین تھیں، میرے ذمے فورٹ میڈ ہائی اسکول میں نویں سے بارھویں جماعت کے بعض طلباء کو ریاضی پڑھانا تھا اور میں روزانہ پانچ مختلف کلاسوں کو پڑھاتا تھا، جیمز ان میں سے کسی گروپ میں نہیں تھا، اس نے میرے ایک طالب علم سے کہا کہ مجھے مسٹر احمد سے ملنے کی اجازت درکار ہے، اس طالب علم نے مجھ سے جیمز کی خواہش کا ذکر کیا، میں نے بلاتکلف جیمز کو ملاقات کی اجازت دیدی، جیمز نے آتے ہی مجھ سے اسلام کے بارے میں چند سوالات کئے، میں نے مختصر طور پر ان کا جواب دے دیا، اس کے بعد وہ دوسری بار سوالات لیکر آیا، میں نے ان کا جواب بھی دیدیا اور ساتھ ہی میں نے جیمز سے پوچھا کہ کیا یہ سوال اس کی سوشل سٹڈیز کے کورس سے ہیں؟ جیمز نے کہا کہ: نہیں، بلکہ میں نے چند ہفتے پہلے اس اسکول کی لائبریری میں اسلام کے بارے میں ایک کتاب دیکھی تھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد مجھے اسلام سے کچھ دلچسپی پیدا ہوگئی، میں نے اس سے کہا: اس ملک میں گورنمنٹ اسکول میں کسی مذہب کے بارے میں تفصیلی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے بہتر ہوگا کہ ہم دونوں اسکول سے باہر فاسٹ فوڈ (Fast Food) ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا کریں، ہم نے دن اور وقت طے کرلیا، اس طرح میری جیمز کی کئی ملاقاتیں ہوئیں جو کہ اللہ کے فضل سے بہت سودمند ثابت ہوئیں، جیمز نے ہماری مسجد دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، میں اسے ایک قریبی شہر لورل

(Laurel) میں ایک نہایت قدیم گھر میں لے گیا جو کہ اس وقت بطورِ مسجد استعمال کیا جاتا تھا۔ میں اسے نماز کا طریقہ بھی بتایا، جیمز کو یہ بات بہت پسند آئی کہ ہم نماز میں براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس عبادت کے دوران کسی قسم کے میوزک سے مدد نہیں لیتے بلکہ پورے سکون اور دلجمعی سے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ عبادت گاہ اور عبادت کا طریقہ بہت سادہ ہے، مسجد میں کسی کی بھی تصویر آویزاں نہیں ہے، اس سے جیمز کو واضح ہوگیا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرستش بالکل نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اس دوران کئی چیزیں میرے ذہن میں آئیں، پہلی بات یہ کہ جیمز اس وقت صرف سولہ سال کا نوجوان تھا اور اس ملک کے قانون کے مطابق ابھی سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ جیمز کے والدین اپنے بچے کو دوسری راہ پر گامزن کرنے پر مجھے کسی قسم کی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، علاوہ ازیں فورٹ میڈ ایک ملٹری چھاؤنی ہے اور اس کے متصل نیشنل سیکورٹی ایجنسی ہے جو کہ ملک بھر کے خفیہ کاموں کا مرکز ہے، مجھے خدشہ ہوا کہ کسی وقت بھی میرے لئے کوئی الجھن پیدا ہوسکتی ہے، جیمز نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس کا والد نیشنل سیکورٹی ایجنسی میں بطور آفیسر کام کرتا ہے، یہ سب باتیں میرے دماغ میں بار بار آتیں اور الجھن میں ڈالتی رہیں۔

میں اور جیمز حسبِ معمول وقتاً فوقتاً تبادلۂ خیال کرتے رہے، ایک دن جیمز نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مسلمان بننا چاہتا ہے، میں نے اس کو مسلمان بننے کا طریقہ بتایا جو کہ بہت آسان اور سادہ ہے، میں نے اسے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مسلمان بننے کے بعد دوبارہ کافر بننا نہایت ہی برا عمل ہے اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ وہ اسلام کی مزید تحقیق کرے حتیٰ کہ اس کا دل اسلام پر پورا جم جائے۔

ابھی ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ جیمز نے پھر اصرار کیا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے، اس بار میں نے اسے کلمۂ شہادت پڑھایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہوگیا، جیمز کے مسلمان ہونے پر ہم دونوں پر کئی نئی ذمہ داریاں عائد ہوگئیں، ان میں سے ایک میری یہ ذمہ داری تھی کہ ہر اتوار جیمز کو اس کے گھر سے مسجد لایا کروں تاکہ وہ اس علاقے کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ظہر کی

نماز ادا کر سکے، نماز کے بعد میں اسے عربی حروف تہجی سکھایا کرتا تھا، جیمز کو یہ تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اس نے جلد ہی قرآن پاک کو عربی میں پڑھنا شروع کر دیا، جیمز کو موسیقی بہت پسند تھی، اس لئے اس نے جلد سے جلد اذان سیکھی اور اس مسجد کا موذن بن گیا ایک نئے مسلمان کی اذان کی تاثیر نرالی ہی ہوتی ہے، جس کو کسی نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

تیرا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے

ایک دن حسبِ معمول میں جیمز کو اس کے گھر سے لانے گیا، جونہی وہ گھر سے وارد ہوا میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ وہ سر سے پاؤں تک ایک خوبصورت عربی لباس میں ملبوس تھا، علاوہ ازیں جیمز کے علاقہ میں مقیم طلباء اور ان کے والدین پہلے ہی چپکے چپکے میرے اور جیمز کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، جب جیمز میری کار کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے بے اختیار یہ کہا: جیمز! تجھے یہ لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مسلمان امریکی لباس میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، جیمز نے میرا خدشہ بھانپتے ہوئے برجستہ کہا: مسٹر احمد آپ کا ایمان کمزور ہے، میں نے اس سے کہا: کیا تمہارے والدین یہ لباس دیکھ کر تم سے ناراض نہیں ہوئے؟ اس نے کہا: قطعاً نہیں، وہ مجھے اس بارے میں بالکل تنگ نہیں کرتے بلکہ میری ماں روزانہ میرے لئے علیحدہ حلال کھانا تیار کرتی ہے، یہ سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جیمز ابھی ہائی اسکول کا طالب علم ہی تھا، اور اپنے ساتھیوں میں کافی مقبول تھا، اس دوران ایک دن جیمز میرے پاس آیا اور کہنے لگا: مسٹر احمد میں اپنا نام بدل کر مسلم نام رکھنا چاہتا ہوں، میں نے اسے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ نیا نام سنتے ہی تمہارے ساتھی تم سے میل میلاپ چھوڑ دیں گے، امریکی نام سے تم ان سے خوب گھل مل سکتے ہو اور اسلامی اقدار کو ان تک پہنچا سکتے ہو، جیمز میری یہ سوچ سن کر دوبارہ بے اختیار کہنے لگا: مسٹر احمد آپ کا ایمان کمزور ہے، بہر حال اس نے اپنا نیا نام جیمز حسین اپیبا پسند کیا۔

بتدریج جیمز نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کر لی، اب وہ اس تلاش میں تھا کہ اسے وقتی طور

پر عارضی کام مل جائے جس سے وہ کالج کے اخراجات کے لئے کچھ پیسہ اکٹھا کر سکے، مغربی ممالک میں یہ ایک بہت اچھا رواج ہے کہ والدین کی مالی استطاعت اور اعلیٰ منصب کے باوجود نوجوان طلباء اپنے کالج کے اخراجات کے لئے فارغ وقت میں کچھ نہ کچھ کام کر لیتے ہیں،، کسی قسم کا بھی کام کرنے میں انہیں عار محسوس نہیں ہوتی بلکہ معمولی سے معمولی کام کے ملنے پر بھی فخر کرتے ہیں، علاوہ ازیں اپنی اس مصروفیت کو رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں سے نہیں چھپاتے، درحقیقت جوانی میں لگاتار مصروفیت ہی انسان کو بہت سی لغزشوں سے بچا لیتی ہے۔

اسی دوران میری اہلیہ صاحبہ نے امریکی آرمی چھوڑ کر لورل میری لینڈ (Laurel Maryland) میں اپنا میڈیکل کلینک کھول لیا اور انہوں نے جیمز کو اپنے میڈیکل کلینک میں استقبالیہ پر متعین کر دیا، چونکہ میری اہلیہ صاحبہ کی میڈیکل پریکٹس اس موقع پر بالکل نئی تھی اور مریض کم تھے، اس طرح جیمز خاصہ وقت فارغ بیٹھا رہتا تھا اور اس کو اسلامی کتب کے مطالعہ کرنے کا خوب موقع مل جاتا تھا۔

جیمز ہر سال عید بھی ہمارے ساتھ مناتا، ایک سال اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے بفضلِ تعالیٰ رمضان کا پورا مہینہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارا، یہاں تک کہ عید کی نماز بھی مکہ مکرمہ میں ادا کی، یہ میرے لئے پہلا موقع تھا کہ پورا رمضان مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزاروں اس لئے میں بہت خوش تھا، لیکن دل ہی دل میں جیمز کے اکیلے پن کی فکر لاحق تھی، جب میں واپس امریکہ پہنچا تو میں نے مسجد میں چند احباب سے جیمز کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو وہ کہنے لگے کہ جیمز نے رمضان کے دوران کئی دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف میں بھی بیٹھا، حقیقت ہے کہ وہ عبادت کے بعض امور میں ہم سے سبقت لے جاتا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد جیمز نے کالج میں داخلہ لے لیا اور اس نے اسلامک ہسٹری کے ساتھ بی اے مکمل کر لیا، وہ اپنی یونیورسٹی میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا ممتاز ممبر تھا، اسی دوران اس نے ایک مسلمہ سے شادی کر لی جو کہ ایک معزز انڈین فیملی سے تعلق رکھتی تھی، اس کی بیوی صاحبہ کو

بھی اسلام سے خوب لگاؤ تھا اس لئے دونوں نے یونیورسل اسلامک اسکول شکاگو (Universal Islamic School Chicago) میں بطورِ ٹیچر کام کرنا شروع کر دیا۔

میری آخری ملاقات جیمز سے اسنا (ISNA) کانفرنس کے دوران شکاگو میں ہوئی، اس بار میں نے یہ دیکھا کہ جیمز ایک مخصوص اسلامی لباس میں تھا اور اس نے سر پر ایک بہت بڑی سبز پگڑی باندھ رکھی تھی، میں نے اسے دیکھتے ہی کہا: جیمز اب یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: مسٹر احمد مہربانی کر کے اس بارے میں کچھ نہ کہیں، میں سمجھ گیا کہ جیمز ماشاء اللہ کسی ذاکر گروپ کے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔

تقریباً بیس سال بعد میں نے جیمز کی فیملی سے بذریعہ ای میل رابطہ کیا۔ جیمز امریکہ کے شہر شکاگو میں ایک معروف اسلامی ادارے میں بطور ایڈیٹر کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نام اقرأ انٹرنیشنل ایجوکیشنل فونڈیشن ہے۔ یہ اسلامی کتب اور رسالے شائع کرتا ہے اور دنیا بھر کے مسلموں اور غیر مسلموں کو مہیا کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیمز کو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران کریں۔ آمین

صف بندی

حرمین شریفین میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ باجماعت نماز میں کبھی کبھار ہمارا کوئی بھائی ایک صف میں اکیلا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایک صف میں اکیلے کھڑا ہونا صحیح نہیں۔ اسے چاہئے کہ اگلی یا پچھلی کسی صف میں شامل ہو جائے یا اپنے سے اگلی صف کے کسی شخص کو کھینچ کر اپنی قطار میں لے آئیے۔

کیتھی (Kathy)

امریکی کالج گریجویٹ پر قرآن کے ترجمہ کا اثر

میں نے میری لینڈ کے محکمہ تعلیم کو خیر باد کہہ کر اسلامک اسکول سیئٹل (Seattle) میں بطورِ پرنسپل کام کرنا شروع کیا، سیئٹل امریکہ کے مغربی ساحل پر واشنگٹن ریاست میں واقع ہے، وہاں کیتھی نام کی ایک خاتون پرنسپل کی سیکریٹری کے عہدے پر فائز تھی اور اس شہر کے اسلامی حلقہ میں خوب سرگرمی سے کام کر رہی تھی، کیتھی اسلام سے کیسے متعارف ہوئی اور پھر اس نے اسلام کیسے قبول کیا؟ یہ ایک عجیب وغریب کہانی ہے، اس نے اپنا پورا قصہ مجھ سے یوں بیان کیا:۔

میں ابھی پرائمری اسکول کی ہی طالبہ تھی، ایک دن اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے شہر کی پبلک لائبریری میں گئی، اس ملک کی لائبریریوں کا یہ طریقہ کار ہے کہ جب کبھی کسی قسم کی کتابیں ضرورت سے زائد ہو جائیں تو انہیں ردی کی ٹوکری میں نہیں پھینک دیتے بلکہ انہیں لائبریری ہی میں برائے فروخت رکھ دیتے ہیں اس طرح سے لوگ ان کتابوں کو نہایت سستے داموں خرید لیتے ہیں، اتفاق سے اس لائبریری میں ایسی ہی کتابوں کی سیل (sale) لگی تھی، میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرے پاس چند سکے تھے، میں نے ایک کتاب چند پیسوں میں خرید لی، چونکہ میں نے اس کی قیمت اپنے جیب خرچ سے ادا کی اس لئے میں نے اس کتاب کو بہت اہتمام کے ساتھ اپنے کمرے میں رکھ دیا۔

زندگی اپنی روش پر چلتی گئی، میں عنقریب مڈل اور بعد میں ہائی اسکول میں پہنچ گئی، ہائی اسکول کے بعد مجھے کالج میں داخلہ مل گیا، میں نے سائنس کے بجائے آرٹس پڑھنا چاہا اور کالج کی تعلیم کے دوران میں نے ایسے کورس منتخب کئے جن میں مختلف مذاہب پر تفصیلی موازنہ کیا جاتا ہے، میرے پروفیسر صاحبان نے خاص کر دنیا کے بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت، اور اسلام کے بارے میں بڑے تفصیلی لیکچر دیئے، ان پروفیسر صاحبان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ

تھا، میں نے یہ سب کورس آسانی سے پاس کر لئے یہاں تک کہ میں کالج گریجویٹ بن گئی، اس کے بعد میں نے کام کی تلاش شروع کی، ملک کے اس حصہ میں ایک عورت ذات آرٹس گریجویٹ کو کام ملنا بہت دشوار ہے، کئی مہینوں کی تھکا دینے والی کوشش کے بعد ہمت ہار کر چپ چاپ گھر بیٹھ گئی، اس بیزاری کو دور کرنے کے لئے گھر کی مختلف اشیاء کو قدرے غور سے دیکھنے لگی، اتفاقاً میرے نظر اس کتاب پر پڑی جو کہ میں نے پرائمری اسکول کے دوران خریدی تھی، یہ انسانی کمزوری ہے کہ جس چیز کی قیمت وہ خود ادا کرے اسے وہ زیادہ مرغوب ہوتی ہے، میں نے اس کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ مٹی سے اٹی ہوئی تھی، میں نے مٹی کو صاف کیا اور پھر اس کتاب کو لے کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی اور اسے پڑھنا چاہا، چند سطور پڑھیں تو پتہ چلا کہ یہ نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے بلکہ نہایت دلچسپ بھی ہے، میں دن بھر اس کے مطالعہ میں مگن رہتی، یہ کتاب اسلام کے بارے میں تھی، مجھے تعجب ہوا کہ اس کتاب میں بیان کردہ اسلام اس اسلام سے بالکل مختلف تھا جو مجھے یونیورسٹی میں پڑھایا گیا تھا، میں نے سوچا کہ کیا میرے پروفیسر جھوٹ بول رہے تھے اور اسلام کا غلط نقشہ پیش کررہے تھے؟

اس کتاب کی تعلیم میرے دل میں گھر کرنے لگی، اور اس کے مطالعہ سے مجھے سکون اور اطمینان ملنے لگا، دراصل یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ تھا، بالآخر میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر یہی صحیح اسلام ہے تو میں بھی مسلمان بنوں گی، تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اسلام میں داخل ہونا نہایت آسان ہے، میں نے بھی کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ کے فضل سے مسلمان ہوگئی۔ الحمد للہ۔

تھوڑے عرصے بعد میں نے ایک افغانی نوجوان سے شادی کرلی، ہم دونوں نے اپنی خدمات اسی شہر کے اسلامی حلقہ کو پیش کردی اور ہم دونوں یہاں مقامی مسلمان لیڈروں کے ساتھ مل کر نہایت گرمجوشی کے ساتھ امت مسلمہ کی خدمت کرنے لگے، ہمیں اس طرح کی زندگی بہت محبوب ہے، ہم اسلامی طرز زندگی کو بدلنے کی کبھی بھی خواہش نہیں کرتے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان معمولی کاوشوں کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

ریحانہ (Rehana)

بچوں کے اسلامی اخلاق کا دادا، دادی پر اثر

امریکی سوسائٹی میں نقل وحرکت بہت زیادہ ہے ایک اندازے کے مطابق ایک فیملی ایک ہی جگہ تقریباً پانچ سال سے زیادہ مقیم نہیں رہتی، اس لحاظ سے میری فیملی پکی امریکی فیملی ہے، ہم سیئٹل (Seattle) سے لاس انجلس (Los Angeles) کے نواحی علاقہ میں منتقل ہوئے، ہمارے قریب ترین مسلم پڑوسی عبدالوہاب صاحب تھے ہم نہ صرف ہر روز کئی بار مسجد میں ملتے بلکہ ایک دوسرے کے گھر میں بھی خوب آمدورفت رہتی، عبدالوہاب صاحب نے ایک امریکی عیسائی خاتون سے شادی کی، ایک دن عبدالوہاب صاحب نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ ان کی اہلیہ صاحبہ کے اسلام لانے سے پہلے انہیں کن کن امتحانوں اور مشکلات سے دو چار ہونا پڑا، انہوں نے اپنے گھر کی کہانی یوں بیان فرمائی:۔

جب میں نے ریحانہ سے شادی کی میں پورے اسلامی احکام پر کاربند نہ تھا، اسی طرح ریحانہ بھی اپنے عیسائی مذہب کی طرف بہت کم متوجہ تھی، میں تو اکثر مسجد چلا جاتا تھا اور وہ کبھی بھی چرچ نہ جاتی تھی، جلد ہی ہمیں اللہ نے بچے عطا فرمائے تو مجھے بچوں کے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی، میں نے ریحانہ کو مسجد جانے کی دعوت دی اس نے صاف انکار کر دیا، اس پر طرہ یہ کہ اس نے چرچ جانا شروع کر دیا اب جب کبھی میں اس کو مسجد کی ترغیب دیتا اس دن وہ خصوصیت کے ساتھ چرچ کا رخ کرتی تھی، سچ تو یہ ہے کہ کوئی شخص بھی عورت سے مقابلہ کر کے جیت نہیں سکتا۔

ایک دن میں نے اسے نہایت مخلصانہ انداز میں ایک حل پیش کیا وہ یہ کہ: ایک اتوار ہم دونوں مل کر چرچ جایا کریں گے اور دوسرے اتوار کو مسجد، اس طرح میں اس کو اسلام سے

روشناس کرانا چاہتا تھا، اس نے کچھ تأمل کے ساتھ اس تجویز کو قبول کرلیا۔

ایسی صورت میں میرے اندر احساس ہوا کہ مجھے صحیح معنوں میں اسلامی احکام پر کار بند ہو جانا چاہیئے، اور میرا رویہ گھر اور باہر ہر اعتبار سے اسلامی ہونا چاہیئے اسی صورت میں ہی میری اہلیہ اسلامی اقدار سے متعارف ہوسکتی ہیں، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے نہایت تندہی سے اسلامی طرز عمل اپنالیا، حقیقت یہ ہے کہ ہر میاں بیوی سے ایک دوسرے کے گن اور خامیاں چھپ نہیں سکتیں کیونکہ دونوں کا ایک دوسرے سے بہت قریب کا واسطہ رہتا ہے، میرا یہ نیا طرزِ عمل مجھے بہت محبوب تھا، ریحانہ بہت آہستہ آہستہ اسلامی اقدار سے مانوس ہونے لگی، گھریلو زندگی کے علاوہ مسجد کے ماحول نے اسے قدرے تقویت دی، روز بہ روز اس کا شوق اسلام کے لئے بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ الحمدللہ

ریحانہ اب ایک بالکل مختلف عورت تھی، اس کو اسلام سے اتنی لگن ہوگئی کہ اپنے آپ کو پوری طرح اسلامی رنگ سے رنگنا چاہتی تھی، اس نے مکمل اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا، اس کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اکثر پیدائشی اور روائتی مسلمان عورتیں اپنے سر کو اسلامی طریقہ سے کیوں نہیں ڈھانکتیں، ان کی قوتِ احساس کو کیا ہوا ہے، اسلامی لباس تو عورت کو بہت معزز اور باوقار بنا دیتا ہے، پھر بھی یہ لوگ دوسروں کا رنگ دیکھ کر اس میں کیوں رنگے جاتے ہیں؟ یہ نہایت قابلِ افسوس بات ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم وہ مسلم ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ریحانہ کے اسلام لانے پر عبدالوہاب کی ہر طرح کی مشکلات ختم ہوگئیں لیکن ریحانہ کا عالم مختلف تھا، وہ جلد از جلد مزید اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی اور جو کچھ پڑھتی اس پر عمل کرنا چاہتی تھی، اس نے اپنے خاوند سے یہ اصرار کیا کہ ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب کی فقہ کی تقاریر کو کیسٹز پر ریکارڈ کریں تا کہ وہ ان سے بار بار استفادہ کرسکے، ایک دن عبدالوہاب صاحب فقہ کے اس سبق میں شمولیت سے قاصر تھے تو انہوں نے مجھ سے پرزور مطالبہ کیا کہ اس لیکچر کی

کیسٹ ضرور ریکارڈ کرنا کیونکہ یہ ان کی بیگم صاحبہ کی فرمائش ہے، ریحانہ اسلامی تعلیم کو اپنے میں خوب جذب کر لیتی اور اس پر خاموشی سے عمل پیرا ہوتی، وہ کبھی مشتعل نہ ہوتی، وہ اپنے خاوند کی بے حد ممنون تھی جنہوں نے اسے اسلام کا ایک اعلیٰ تحفہ عطا کیا، اور اسے نئی زندگی سے روشناس کرایا، ریحانہ اپنے بچوں کو اسلامک اسکول میں تعلیم دلوانا چاہتی تھی تا کہ وہ اچھے مسلمان بنیں، اس کا خیال تھا کہ دنیاوی تعلیم کی کمی بیشی کو بعد میں بھی درست کیا جا سکتا ہے۔

ریحانہ کے والدین شکاگو میں مقیم تھے جو کہ لاس اینجلس سے تقریباً دو ہزار میل دور ہے، ریحانہ کے والدین پر اس کا اسلام میں داخلہ بہت شاق گزرا، انہوں نے ریحانہ کو ہر ممکن طریقہ سے تنگ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کے ہاں آنا جانا بھی ترک کر دیا، خاص کر ریحانہ کے والد بہت سخت مزاج، ضدی اور اپنی دھن کے پکے تھے، اسلام کے بارے میں تعصب ان پر پوری طرح سے مسلط تھا، ان سے بات کرنا بھی بہت مشکل تھا، ان حالات کے باوجود ریحانہ اپنے والدین سے میل ملاپ اپنا فرض سمجھتی تھی اس لئے وہ ہر سال بچوں سمیت ان کے پاس شکاگو ملنے جاتی، جب بھی واپس آتی تو کلفت اور بدمزگی کے بوجھ سے لدی ہوتی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری ہر سال شکاگو کا چکر ضرور لگاتی بچے بھی کچھ بڑے ہونے لگے، ریحانہ کے والدین ان بچوں کے اسلامی اطوار اور عادات سے متاثر ہونے لگے اور دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ غالباً اسلام اتنا برا نہیں جتنا ہم اسے سمجھتے ہیں، ان کی سوچ یہاں تک بدل گئی کہ وہ کئی سالوں بعد اپنی بیٹی کے پاس لاس اینجلس آنے کے لئے تیار ہو گئے، ہمیں بھی یہ اچھی خبر ملی، بالآخر وہ واقعی لاس اینجلس تشریف لے آئے، اس سے ہماری حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

میں نے عبدالوہاب صاحب کی فیملی کو شام کے کھانے پر مدعو کیا اور ساتھ ہی ایک دوسری فیملی مسٹر اور مسز نسیم کو بھی دعوت دی، مسز نسیم بھی ریحانہ کی طرح نئی امریکی مسلمہ تھی جو کہ نہ صرف اسلامی لباس میں ملبوس رہتی بلکہ اسلام پر تن من دھن سے عمل پیرا تھی، ہمارا مقصد یہ تھا کہ ریحانہ کے والدین کو دیگر امریکی مسلمانوں سے متعارف کرایا جائے تا کہ ان کے تعصبی بندھن ڈھیلے ہوں، ہم سب نے وہ شام بہت خوشگوار ماحول میں گزاری، ریحانہ کے والدین ہمارے اچھے

دوست بن گئے، ایک دوسرے سے خوب نوک جھونک ہوتی رہی حتیٰ کہ نصف شب کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی۔

یہاں پر ایک اور ضمنی بات کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ ریحانہ اور اس کی فیملی چند قدم چل کر اپنے گھر پہنچ گئے، مسٹر اور مسز نسیم کو تقریباً بیس میل دور ریورسائڈ (Riverside) شہر بذریعہ کار جانا تھا، رات کے ان اوقات میں ڈرائیونگ بہت خطرناک ہوتی ہے، کئی لوگ شراب کے نشے میں ہی کاریں چلاتے رہتے ہیں ان سے بچنا بہت مشکل ہے، مسٹر اور مسز نسیم کی کار کی بھی ایک ایسے ہی شخص کی کار سے اسی رات ٹکر ہوگئی، حادثہ بہت سخت تھا، دونوں میاں بیوی کار سے باہر سڑک پر آگرے، نسیم صاحب بالکل بے ہوش ہوگئے، مسز نسیم کی بہت سی ہڈیاں ٹوٹ گئیں لیکن وہ ابھی ہوش میں تھیں، اپنے بے ہوش خاوند کے پاس بیٹھ کر بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں، تھوڑی دیر بعد ایک ایمبولینس پہنچی، اس کے عملے نے دیکھا کہ ایک عورت عجیب وغریب لباس میں بیٹھی ایک اجنبی زبان میں باتیں کررہی ہے، انہوں نے مسز نسیم سے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا تم انگریزی سمجھتی ہو؟ مسز نسیم نے انگریزی میں کہا: ہاں سمجھتی ہوں میں تو صرف عربی میں قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھی، دونوں کو ہسپتال لے جایا گیا، وہ کئی ماہ ہسپتال میں داخل رہے کافی علاج معالجہ کے بعد ایک آدھ سال بعد دونوں پھر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے۔ والحمدللہ۔

ریحانہ کے والدین مختصر قیام کے بعد واپس شکاگو چلے گئے، ریحانہ کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس کے والدین اسلام قبول کرلیں، ایک دن میری اہلیہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ ریحانہ بہت رو رہی ہے، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میری اہلیہ نے بتایا کہ ریحانہ کی والدہ سخت بیمار ہے اور ریحانہ کو یہ فکر ہے کہ کہیں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ہی فوت نہ ہوجائے، افسوس کہ ریحانہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور اس کی والدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسی۔

جیسے کہ میں نے پہلے لکھا ہے ریحانہ کے والد بہت سخت مزاج تھے، اس کے باوجود ہم

سب ان سے رابطہ رکھتے، عبدالوہاب اپنے کاروبار کے سلسلے میں تقریباً ہر ماہ شکاگو جاتے تو اپنے سسر سے ضرور ملتے، ان سے کوئی ایسی بات نہ کہتے جو ان کو ناگوار گزرے، ریحانہ کے والد میرے بھی دوست بن گئے تھے، میں بھی چاہتا تھا کہ کوئی مثبت قدم اٹھاؤں جس کا ان پر اچھا اثر ہو، اس دوران میں نے ڈیٹرائٹ (Detroit) شہر نقل مکانی کرلی جو کہ شکاگو سے کافی قریب ہے، میں نے ریحانہ کے والد کو ڈیٹرائٹ سے فون کیا اور دعوت دی کہ وہ ہمارے پاس آئیں کیونکہ اب ہم لاس اینجلس کی نسبت بہت قریب تھے، اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہ وقت تھا جبکہ ڈیٹرائٹ کی پولیس کے کچھ عملہ کی بدعملیوں کے باعث ڈیٹرائٹ کی شہرت کو بہت ٹھیس لگ چکی تھی، اس لئے ریحانہ کے والد نے مجھے یہ جواب دیا امتیاز! میرا دل بہت چاہتا ہے کہ تمہارے پاس آؤں لیکن میری یہ پوری کوشش ہے کہ زندگی بھر ڈیٹرائٹ جیسے شہر میں قدم نہ رکھوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ریحانہ کے والد کو اسلام کی توفیق دیں۔ آمین

سجدہ تلاوت

حرمین شریفین میں جمعہ کے روز فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں امام صاحب (سنت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق) اکثر سورۃ السجدہ کی تلاوت فرماتے ہیں (بخاری ومسلم)۔ آیتِ سجدہ کے بعد امام صاحب حالت قیام سے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ ہر مقتدی کو بھی امام صاحب کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنا چاہیئے۔

نوٹ: دیگر مما لک کے امام صاحبان سے درخواست ہے کہ اس سنت پر عمل کریں۔ تاکہ زائرین کرام حرمین شریفین آنے سے پہلے اس کے عادی ہو جائیں۔

نوٹ: ان امور کی اپنے دوسرے بھائیوں کو پیار ومحبت سے یاد دہانی کرائیں کیونکہ ان میں سے بعض تعلیم یافتہ نہیں ہوتے۔ اور یہ کہ اکثر عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا پہلے تجربہ نہیں۔

امام سراج وھاج (Imam Siraj Wahaj)

ایک نڈر امریکی مسلم لیڈر

سالہا سال سے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (M.S.A) پورے امریکہ اور کینیڈا کے مسلمانوں کی سب سے بڑی اسلامی آرگنائزیشن مانی جاتی تھی، اس کے کرتا دھرتا زیادہ مسلم طلباء تھے جو کہ امریکہ اور کینیڈا کی مختلف یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے تھے یہی نوجوان نہایت اخلاص سے اسلام کی خدمت کرتے، ان میں سے اکثر طلباء نے بتدریج ان ملکوں کی شہرت اختیار کر لی اور یہاں مستقل طور پر بسنے لگے ان حالات میں یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک نئی آرگنائزیشن کی تشکیل دی جائے جس میں امریکہ اور کینیڈا کے شہری مسلمان اور طلباء بھی حصہ لے سکیں، اس نئی آرگنائزیشن کا نام اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) رکھا گیا، اور ایم ایس اے اس کی برانچ کے طور پر کام کرنے لگی، امام سراج وھاج اور میری یہ خوش قسمتی تھی کہ ہم دونوں نہ صرف M.S.A کی مجلسِ شوریٰ اور ایگزیکٹو کونسل میں تھے بلکہ ہم دونوں ISNA کی پہلی مجلسِ شوریٰ اور ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی منتخب ہوئے ہماری میٹنگز ISNA کے ہیڈ کواٹر میں ہوتیں جو کہ انڈیانا ریاست میں ہے، یہ میٹنگز بہت لمبی اور تھکا دینے والی ہوتی تھیں اور ایجنڈا اتنا بڑا ہوتا تھا کہ صرف چند ممبروں کو ہی اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملتا، ہمیں آپس میں ذاتی طور پر بات چیت کا کبھی موقع نہ ملتا پس مجھے ان نیشنل لیڈرز میں کچھ خلا سا محسوس ہوا، خوش قسمتی سے ایک دن میں اور امام سراج وھاج دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران ایک ہی میز پر بیٹھ گئے، میں عرصۂ دراز سے یہ جاننے کا متمنی تھا کہ سراج وھاج صاحب مسلمان کیسے ہوئے؟ میرے پوچھنے پر انہوں نے اپنی کہانی یوں بیان کی:

میں امریکہ میں معروف بلیک مسلم تنظیم کا سرگرم ممبر تھا، یہ تنظیم اصل اسلامی تعلیم اور اقدار سے بالکل مختلف ہے، اسی دوران مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (M.S.A.) نے حسبِ معمول گرمیوں میں ایک ٹریننگ کیمپ منعقد کیا جس میں مختلف شہروں کے گنے چنے لوگوں کو دینی تعلیم، کھانا اور رہائش مفت فراہم کی جاتی تھی، میں نے بھی ایک ایسے کیمپ میں شرکت کی، کیمپ کے پروگرام کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوت سے ہوئی مجھے خوب یاد ہے کہ تلاوت ایک سوڈانی بھائی نے کی، میں اس وقت عربی زبان سے بالکل بے بہرہ تھا یہاں تک کہ عربی کا ایک لفظ بھی نہ بول سکتا تھا اور نہ ہی سمجھ سکتا تھا، اس کے باوجود قرآن پاک کی تلاوت کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ میں بے اختیار زاروقطار رونے لگا اور موٹے موٹے آنسو میرے گالوں پر سے بہتے ہوئے مسلسل میرے کپڑوں پر گرتے رہے، جوں جوں میں تلاوت سنتا گیا میری رقت میں اضافہ ہوتا گیا، جیسے میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ میں عربی زبان بالکل نہ سمجھتا تھا اس کے باوجود اس تلاوتِ قرآن پاک کا میرے دل ودماغ پر نرالا اثر ہی تھا، میں نے اپنے آپ سے کہا یہ جو کچھ بھی ہے عین حقیقت اور سچ پر مبنی ہے، اسلئے میں اس دن سے پکا سنی مسلمان بن گیا۔ الحمد للہ۔

سراج وہاج صاحب نے فوراً عربی زبان سیکھنی شروع کر دی، انہوں نے جوش وخروش اور بے حد محنت سے بہت جلد قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ وہ مسجد تقوی نیویارک کے امام بن گئے، ان کے خطباتِ جمعہ بہت موثر ہوتے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت سے مرد اور عورتیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئیں، اس مسجد کے گرد مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی، یہاں تک کہ سراج وہاج صاحب ایک قومی لیڈر کے طور پر منظر عام پر آگئے اور ایم، ایس، اے کے مجلسِ شوریٰ اور ایگزیکٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔

ایک بار میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں اسنا (ISNA) اور دیگر مسلم آرگنائزیشنز کی کارکردگی کیسی ہیں، تو انہوں نے نہایت بلند اور واضح الفاظ میں کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم سب بہت سست اور کام چور ہو، اکثر امور میں تمہاری کارکردگی بہت معمولی ہوتی ہے، مثلاً جب میں بلیک مسلم تنظیم کا ممبر تھا میرے ذمہ ہر روز بہت سے اخبار بیچنا تھا میں گھنٹوں اپنے پاؤں

پر کھڑا ہو کر یہ کام سرانجام دیتا حتیٰ کہ اس جوانی میں بھی میرے پاؤں کانپنے لگتے، تم لوگ باتیں بہت کرتے ہو اور کام بہت کم۔

سراج وھاج صاحب کی مسجد نیویارک شہر کے وسط میں ہے جہاں دن رات منشیات اور ڈرگز (drugs) کا بازار بہت گرم تھا، اس کاروبار کے لیڈر بہت امیر اور نڈر تھے اس علاقہ سے اس کاروبار کو ختم کرنا بڑا مشکل اور خطرناک کام تھا، اس کاروبار کے لیڈر کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ دخل اندازی کرنے والوں کو فی الفور جان سے مار دیتے تھے، اس طرح سے منشیات کا کاروبار اس علاقے میں نہایت عروج پر تھا، سراج وھاج صاحب کو یہ بات پسند نہ تھی، انہوں نے اس کاروبار کے اڈوں اور لیڈروں کا سراغ ان نئے مسلمانوں سے لگایا جو کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے اس کاروبار میں ملوث تھے، پھر سراج وھاج صاحب نے اپنے علاقے کے کئی سو مسلمانوں کو اکٹھا کر کے اپنے علاقے کا دورہ کیا اور انہوں نے منشیات کے لیڈروں کو بے دھڑک کہہ دیا: کل تک اس علاقے سے کوچ کر جاؤ ورنہ ہم سب مل کر تمہیں ختم کر دیں گے، منشیات کے لیڈروں نے سراج وھاج صاحب سے کہا کہ آپ ہمیں ہماری روزی سے کیوں دست بردار کر رہے ہیں؟ تو سراج صاحب نے انہیں جواب دیا: اس مسلم علاقہ میں منشیات کی قطعی اجازت نہیں، سراج وھاج صاحب نے اگلے روز پھر پورے علاقے کا دورہ کیا، منشیات کے لیڈر اپنے اپنے اڈوں سے بھاگ چکے تھے اس طرح یہ علاقہ منشیات سے بالکل پاک ہو گیا، اور مسجد تقوی کے اردگرد تقریباً پانچ میل تک منشیات کے کاروبار کا نام ونشان تک نہ رہا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کی شیروں کو آتی نہیں روباہی

امریکی گورنمنٹ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی، کیونکہ اس نے اس علاقے سے منشیات کی روک تھام کے لئے بہت عملہ متعین کر رکھا تھا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، سراج وھاج صاحب کا نیشنل ٹی وی پر انٹرویو لیا گیا، ان سے یہ پوچھا گیا: آپ نے یہ معرکہ کیوں اور کیسے سر انجام دیا؟ سراج صاحب نے فرمایا: اسلام میں منشیات کے کاروبار کی قطعاً اجازت نہیں، یہ غربا کا

خون چوسنے کے مترادف ہے، اس معرکہ میں کامیابی کا راز اخلاص اور پختہ ارادہ ہے ان کی بدولت ہی اعلیٰ مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سراج وھاج صاحب امریکہ اور کینیڈا کے مختلف اسلامی حلقوں میں اسلام کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں آپ خاص طور پر نوجوان طبقے میں بہت مقبول ہیں، آپ اسلامی اسکولوں اور مساجد کے لئے پیسہ اکٹھا کرنے میں بھی بے حد کامیاب ہیں آپ جب بھی انہیں دیکھیں گے ان کے ہاتھ میں قرآن یا حدیث کی کھلی کتاب ہوگی خواہ وہ ایئر پورٹ پر ہوں یا کسی اور جگہ۔

جب میں آخری بار امریکہ سے حج کی غرض سے مکہ مکرمہ آیا تو کئی امریکی مسلمانوں سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ اس سال اور کون کون آیا ہے تو وہ کہنے لگے: امام سراج وھاج صاحب آئے ہیں اور خانہ کعبہ کے منتظمین ان کی تلاش میں ہیں تا کہ وہ خانہ کعبہ کا غلاف بدلنے میں ان کا ساتھ دیں، سراج وھاج صاحب کا شمار بین الاقوامی مسلم لیڈروں میں ہوتا ہے۔

جناب امام سراج وھاج صاحب کی آخری تقریر میں نے اسنا (ISNA) کی سالانہ کنوینشن شکاگو میں سنی۔ اس وقت امریکہ کے صدر کے انتخاب کے لیے سیاسی سرگرمیاں عین عروج پر تھیں۔ جارج بش (George Bush)، بل کلنٹن (Bill Clinton) اور راس پیرو (Ross Pero) تین امیدوار تھے۔ امریکی مسلمان بیتابی سے انتظار کررہے تھے کہ کوئی امریکی مسلم لیڈر اس الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے لیے ان کی رہبری کرے۔

جناب امام سراج وھاج صاحب اسٹیج پر آئے اور اپنی تقریر کا آغاز یوں کیا۔ کہنے لگے کہ میں کل رات قرآن شریف کا مطالعہ کررہا تھا۔ میں نے قرآن شریف میں جارج بش کے بارے میں پڑھا۔ ہاں ہاں تمہارے کان صحیح سن رہے ہیں یہ کہ میں نے کل رات قرآن شریف میں جارج بش کے بارے میں پڑھا اور مجھے یہ پڑھنے کے لیے بہت زیادہ قرآن کا مطالعہ نہ کرنا پڑا۔ اس کا ذکر قرآن کے شروع میں ہی ہے بلکہ وہاں بل کلنٹن اور راس پیرو کا بھی ذکر ہے۔ ہاں ہاں میں تمہیں آیت بھی بتا سکتا ہوں پھر آپ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝١٨

یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں۔ پس وہ سچائی کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

یعنی ان کے کان سچائی سننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کی زبانیں سچ بولنے کے لیے تیار نہیں اور اُن کی آنکھیں (اور دل) سچائی دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ بس وہ سچائی کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

امام سراج وھاج صاحب کا انداز بیان نرالا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچ سننے، کہنے اور سمجھنے اور اس کو قائم و دائم کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

میرا خیال ہے کہ کسی کو سراج وھاج صاحب کے بارے میں کتاب لکھنی چاہئے تا کہ ان کی روداد زندگی بہتوں کے لئے تقویت کا باعث ہو، مجھے توقع ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی کسی اللہ کے بندے کو اس کی توفیق ہوگی، سراج وھاج صاحب کا شمار ان شیرانِ خدا میں ہوتا ہے جن کے بارے میں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:۔

یہ کیا ناز ہے کہ زمانے نے بدلا ہے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

ائمہ کرام مسجد نبوی شریف۔ مدینہ منورہ ۲۰۱۰ء

۱۔ الشیخ ڈاکٹر/ علی بن عبدالرحمن الحذیفی۔ پروفیسر کلیۃ القرآن۔ جامعہ اسلامیہ۔ مدینہ منورہ۔

۲۔ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالباری الثبیتی۔ پروفیسر ٹیچر ٹریننگ کالج۔ مدینہ منورہ۔

۳۔ الشیخ ڈاکٹر/ حسین آل الشیخ۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

۴۔ الشیخ ڈاکٹر/ صلاح بدیر۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

۵۔ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالمحسن القاسم۔ جج ہائی کورٹ۔ مدینہ منورہ۔

سُوزَن (Suzan)

امریکی مسلمہ اور اس کی بچیوں کی اسلام سے والہانہ محبت

سوزَن ایک امریکی عیسائی عورت تھی، اس نے ایک عبدالقادر نامی برمی مسلمان سے شادی کی، دونوں میری لینڈ ریاست میں مقیم تھے، عبدالقادر جوتوں کی ایک کمپنی میں بحیثیت منیجر کام کررہے تھے، وہ اکثر لورل (Laurel) مسجد میں اتوار کو ظہر کی نماز کے لئے آتے، ایک دن انہوں نے اپنی مشکلات کا مجھ سے یوں ذکر کیا، کہنے لگے: میں نے ایک عیسائی عورت سے شادی کی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو جڑواں بچیاں عطا کی ہیں میں ان بچیوں کے مستقبل کے بارے میں متفکر ہوں، میں نے ہر طرح کی کوشش کی کہ اپنی اہلیہ صاحبہ کو مسجد لاؤں لیکن اس میں اب تک ناکام ہوں، آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

میں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی اہلیہ صاحبہ کو ہمارے گھر کھانے پر لائیں وہ میری اہلیہ سے ملیں گی اس طرح سے ان کی جھجک قدرے دور ہو جائے گی اور وہ مسلمان عورتوں سے ملنے میں تامل نہ کریں گی، یہ طریقہ کارگر ثابت ہوا۔

سوزَن مسجد آنے لگیں اور قرآن پاک کی تفسیر کے حلقہ میں شرکت کرنے لگیں، چند ہفتے بڑے سکون سے گزر گئے، ایک اتوار کے دن میں نے تفسیر کا سبق ختم کیا اور حاضرین سے سوالات کے لئے کہا، سوزن نے ایک سوال پوچھا، اس سے پہلے کہ میں اس سوال کا جواب دیتا حاضرین میں سے ایک اور صاحب نے فی الفور اس کا جواب دے کر دیا، جواب سنتے ہی سوزَن زاروقطار رونے لگی، پورا حلقہ دنگ رہ گیا کہ آخر ہوا کیا ہے، سوزَن کا رونا نہ تھما تو اس کے خاوند عبدالقادر صاحب اسے گھر لے گئے، بعدازاں میں نے عبدالقادر صاحب سے سوزَن کے رونے کی وجہ

دریافت کی، عبدالقادر صاحب نے کہا: سوزَن کا خیال ہے کہ اس کے سوال نے اس جواب دہندہ کو ناراض کر دیا، کیونکہ اس جواب دہندہ کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا، سوزَن ایک شریف الطبع عورت ہے اور پوری کوشش کرتی ہے کہ کسی کو ناراض نہ کرے، میں نے عبدالقادر صاحب سے کہا کہ: یقیناوہ صاحب سوزن سے ناراض نہ تھے، اور ان کے چہرے کی سنجیدگی بھی قدرتی امر تھا، درحقیقت پاکستان اور انڈیا کے اکثر احباب کے چہرے ہر وقت سنجیدہ ہی ہوتے ہیں، آپ یہ بات کسی ایئرپورٹ بس اسٹاپ یا بازار میں دیکھ سکتے ہیں، یہ ہماری تہذیبی کمزوری ہے، آپ نہایت سکون سے سوزن کو یہ نکتہ سمجھائیں، آہستہ آہستہ یہ بات سوزن کی سمجھ میں آگئی اور وہ چند ہفتوں کے بعد واپس مسجد آئی۔

اب سوزن تفسیر کے حلقہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی اور اسے یہ سوال وجواب کا طریقہ بھی بہت پسند آیا، اس سے اس کو اسلامی اقدار کے سمجھنے میں بہت مدد ملی، اس کو یہ بات بھی بھلی لگی کہ اسلام میں سوال وجواب کی اجازت ہے کیونکہ بعض مذاہب میں سوال کرنے کی اجازت تک نہیں ہوتی، اسلئے جواب کی نوبت ہی نہیں آتی، سوزن نے مسجد میں موجود دیگر خواتین سے بھی دوستی کرلی، اور وہ ایک دوسرے سے نہایت عزت اور پیار سے ملنے لگیں۔

سوزن کی فکر بالکل اسلامی ہوگئی اور اسے یہ نئی سوچ بہت بھلی لگی، سوزن نے چاہا کہ وہ بھی مسلمان ہوجائے، یہ ہم سب کے لئے نہایت باعثِ مسرت بات تھی اور میری یہ خوش قسمتی تھی کہ میں نے اس کو کلمۂ شہادت سمجھایا اور پڑھایا، اب سوزن ہم سب کی مسلمان بہن بن گئی، اسی روز میں نے عبدالقادر صاحب اور سوزَن کا اسلامی طریقہ پر نکاح کیا اور مسجد میں ہی شادی خانہ آبادی بھی ہوگئی اور سب کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، سوزن نے اپنا نیا نام سعیدہ چنا وہ نہایت سعادت مند شریف الطبع تھی، اور سب کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتی۔

اسلامی نکاح کے موقع پر میں نے دونوں پر واضح کیا کہ اسلامی قانون کے مطابق مرد کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کو حق مہر دے جس کا تعین ان کے باہمی اتفاق پر ہے، یاد رہے یہ حق مہر عورت کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کے ادا کرنے کے بعد عمر بھر مرد کی طرف سے کسی قسم

کے عمل و دخل کی اجازت نہیں، عبدالقادر صاحب بصد خوشی حق مہر ادا کرنے پر تیار ہو گئے، سعیدہ بھری مجلس میں مسلمان عورت کا احترام اور عملی طور پر اس کے حقوق کا تحفظ دیکھ کر دنگ رہ گئی، اور اس کی قوتِ ایمان کو بے حد تقویت پہنچی، یہ واقعہ میری لینڈ ریاست میں پیش آیا، ایک ایسا ہی واقعہ بعد میں میشی گن ریاست میں پیش آیا، جس کا ضمنی طور پر ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

توحید مسجد کے اعزازی طور پر امام کی حیثیت سے میرے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ میشی گن ریاست کے قانون کے مطابق اور اسلامی قوانین کی روشنی میں نکاح پڑھایا کروں، ایک ایرانی مسلمان نوجوان نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کا ایک عورت سے نکاح پڑھا دوں، میں نے دونوں کا اسلامی نکتہ نظر سے مردوں اور عورتوں کے حقوق سے آگاہ کیا، اور حق مہر کی وضاحت کی، دونوں نے مل کر حق مہر طے کر لیا، پھر دونوں نے نکاح نامہ کے مخصوص فارم پُر کئے، اور اسی طرح حق مہر کی ادائیگی کا فارم بھی پُر کیا، میں نے دونوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس سے پہلے کہ میں دونوں سے ازدواجی بندھن کا عہد لوں اور ان فارموں پر دستخط کراؤں اگر ان کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو پوچھ لیں، اس عورت نے کہا: میرے ذہن میں تو کوئی سوال نہیں، نوجوان بھائی نے کہا کہ میرے پاس ایک ضروری سوال ہے، وہ یہ کہ جس طرح مجھے اپنی ہونے والی بیوی کو حق مہر دینا ہے اور اس پر میرا کوئی تصرف نہ ہوگا، اسی طرح کیا یہ ضروری نہیں کہ یہ عورت بھی مجھے حق مہر دے؟ میں نے اسے بتایا کہ اللہ کے قانون میں ایسا نہیں ہے، تو وہ کچھ سٹپٹا سا گیا، لیکن وہ عورت اسلامی قانون میں عورت کی قدر و منزلت دیکھ کر سعیدہ کی طرح دنگ رہ گئی اور قدرے محظوظ بھی ہوئی۔

یہ واضح رہے کہ سوزن نے پہلے اسلامی تعلیم حاصل کی اور اپنے سارے شکوک وشبہات رفع دفع کئے اور پھر خوب سوچ سمجھ کے بعد نہایت پختگی اور دلجمعی کے ساتھ دائرہ اسلام میں قدم رکھا، اسلام قبول کرتے ہی اس نے خود بخود اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا اور پڑوسیوں، رشتے داروں اور دوسرے ملنے والوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی، اسے اس نئے طرزِ زندگی پر بہت فخر تھا، اس کی دونوں جڑواں بچیاں اس وقت پرائمری اسکول میں پڑھ رہی تھیں سوزن نے ان کو بھی

اسکاف (Scarf) پہننے کی تعلیم وتربیت دی، سوزن اور اس کی دونوں بچیاں اسلامی لباس میں بہت بھلی اور پُروقار نظر آتی تھیں، امریکی ماحول میں یہ ایک نیا ہی منظر تھا۔

سوزن اکثر روائتی اور پیدائشی مسلمان عورتوں کو مسجد میں غیر اسلامی لباس میں دیکھتی، سوزن نہایت شریف الطبع ہونے کے باعث زبان سے کچھ نہ کہتی لیکن ان عورتوں اور ان کے خاوندوں کو بہت تعجب کی نظر سے دیکھتی، سوزن کو اردو شعر تو کہنے نہیں آتے تھے لیکن وہ سوچ میں اکبر الہ آبادی سے کافی مطابقت رکھتی تھی:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

کمسن بچیوں کا اسکارف پہن کر اسکول جانا ان کے ہم عمر بچوں کے لئے ایک عجیب بات تھی، عمر کا تقاضا ہے کہ دوسرے بچے ان دونوں بچیوں کو گاہے بگاہے ستاتے لیکن پھر بھی دونوں بچیاں نہایت پختگی اور سنجیدگی کے ساتھ سب مشکلات کا سامنا کرتی رہیں، مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں نے عبدالقادر صاحب کی موجودگی میں سوزن سے کہا کہ ان کمسن بچیوں کو اس عمر میں اس کشمکش میں ڈالنے کی ضرورت نہیں، اس پر سوزن نے ہم دونوں سے مخاطب ہوکر کہا: بچیوں کو اسی عمر سے ہی صحیح روش پر چلنا ہے، اگر وہ اب اس پر کاربند نہ ہوئیں تو مستقبل میں ان کے عمل میں بودہ پن آسکتا ہے، ہم دونوں سوزن کے ایمان کی اس طرح پختگی اور اخلاص پر کھسیانے سے ہوگئے، عبدالقادر صاحب نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہنے لگے: ہم پیدائشی مسلمانوں کی نظر میں اسلام کی صحیح قدر ومنزلت نہیں، ہمیں اسلام ویسے ہی ورثے میں مل گیا، میری اہلیہ اور دوسرے کئی نومسلم ہم سے بدرجہا بہتر ہیں، عبدالقادر صاحب اور سوزن ماشاء اللہ ایک قابلِ رشک زندگی بسر کررہے ہیں۔

ڈاکٹر نجات (Dr Nijat)

ہندو ڈاکٹر کا قبول اسلام اور مخلصانہ خدمات

ڈاکٹر نجات صاحب انڈیا میں ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے، میں ان کا اصلی ہندو نام لکھنے کی جرأت نہیں کرتا کیونکہ وہ نام جتنا لکھنا مشکل ہے اتنا ہی پکارنا بھی دشوار ہے، انہوں نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیم بھی انڈیا میں حاصل کی اور اپنے والدین کے ساتھ مندر میں پوجا پاٹ بھی کرتے رہے، آپ انڈیا میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ونڈسر (Windsor) شہر آئے جو کہ کینیڈا (Canada) میں واقع ہے۔

ونڈسر یونیورسٹی کیمپس میں ان کا میل جول کئی دوسرے بین الاقوامی طلباء سے ہوا، اس طرح سے وہ نئے نئے خیالات وعادات سے متعارف ہوئے، نجات صاحب اکثر طلباء کی طرح کھلے دل ودماغ کے حامل تھے اور تعصب سے خاصے دور، وہ چاہتے تھے کہ ان کی زندگی ایک اعلیٰ اور مثالی زندگی ہو، وہ اپنے آبائی ہندو مذہب سے مطمئن نہ تھے اس لئے انہوں نے عیسائیوں کی بائبل پڑھنی شروع کی، انہیں بائبل میں بیان کردہ خیالات اپنے آبائی ہندو مذہب سے زیادہ معنی خیز لگے، اس لئے انہوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا اور تقریباً ایک سال اس پر کاربند رہے۔

ابھی بھی ان کے دل کو وہ سکون نہ ملا جس کے وہ متلاشی تھے، اس لئے انہوں نے اپنی وسعتِ قلبی کے باعث اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور یونیورسٹی میں مسلم طلباء سے بھی تبادلہ خیال کرتے، یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ امریکہ اور کینیڈا کی کئی یونیورسٹیوں میں بہت منظم طریقہ سے یہودی، عیسائی اور مسلمان علماء کو اکٹھا کرکے ان کی باری باری تقاریر منعقد کی جاتی ہیں اور پھر ایک ہی سوال کے تینوں علماء اپنے اپنے نظریہ سے جواب بھی دیتے ہیں اس سے بہت سے

طلباء کا تعصب دور ہوتا ہے اور وہ راہِ ہدایت پاتے ہیں۔

نجات صاحب نے کئی ذرائع سے اسلامی تعلیم حاصل کی، انہیں یہ بات بہت اچھی لگی کہ اسلام میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت ہوتی ہے، انہیں اسلامی افکار سادہ اور آسان لگے، اس لئے انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

نجات صاحب نے محسوس کیا کہ ایک صحیح اور عملی مسلم بننے کے لئے شادی کرنی ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو جلد پورا کر دیا، ان کی ونڈسر ہی میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی ہوگئی، نجات صاحب نے نہ صرف شادی خانہ آبادی کرلی بلکہ اسی دوران اپنی پی۔ایچ۔ڈی بھی مکمل کرلی، اب وہ کسی کام کی تلاش میں تھے، ان کی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر معروف فورڈ کمپنی ڈیٹرائٹ نے انہیں ایک کام کی پیشکش کی جو ڈاکٹر نجات صاحب نے قبول کرتے ہوئے ڈیٹرائٹ کے نواحی علاقہ فارمینگٹن ہل (Farmington Hill) میں نقل مکانی کرلی۔

انہی دنوں اس علاقہ میں ایک نئی مسجد معرضِ وجود میں آئی جس کا نام: توحید سنٹر آف فارمینگٹن ہل تھا، نجات صاحب سے میری ملاقات اسی مسجد میں گاہے بگاہے ہوتی، ایک دن میں نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا، میں قرآن عربی میں نہیں پڑھ سکتا، میں ششدر رہ گیا اور مجھے یقین نہ آیا کہ ان جیسا قابل شخص قرآن نہ پڑھ سکے، اس کی وجہ واضح ہے کہ اکثر مسلمان دوسروں کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کی خاطر وقت صرف نہیں کرتے اس طرح سے کئی اچھے طلباء ایسی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض ذاتی توجہ نہ ملنے کے باعث پست حوصلہ ہوکر ہمت ہار جاتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جب تک ذاتی طور پر وقت کی قربانی نہ دی جائے دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچایا جاسکتا محض زبانی ہمدردی کسی کام کی نہیں ہوتی۔

میں نے مسز نجات سے بلا جھجک پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے خاوند کو حروفِ تہجی تک نہیں سکھلائے جب کہ آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئے کئی سال گزر گئے ہیں؟ مسز نجات مجھے کوئی معقول جواب نہ دے سکیں، میں نے نجات صاحب سے کہا: آیئے میں اور آپ ایک باہمی معاہدہ کرتے ہیں، آپ تقریباً چار اتوار میرے ساتھ تعلیم کے لئے لگائیں، میں آپ کو یقین

دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ آپ قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیں گے، ہم نے توحید سینٹر میں فجر کی نماز کے بعد ملنے کا فیصلہ کیا، یہ ہم سب کے لئے باعثِ خوشی تھا کہ نجات صاحب نے اسی عرصہ میں قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی طرح کئی اور طلباء بھی اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جمع ہو گئے، مثال کے طور پر ایک میڈیکل ڈاکٹر صاحب جو پیدائشی امریکی تھے اور ابھی تک قرآن پاک سے بے بہرہ تھے، وہ بھی اس تعلیم وتدریس کے سلسلے میں منسلک ہوگئے، اتوار کے دن اس تعلیم وتدریس کے بعد ہم سب مل کر مسجد میں ناشتہ کرتے تھے، یہ بہت اچھا منظر ہوتا تھا۔

ڈاکٹر نجات صاحب اب کئی سورتیں آسانی سے پڑھ سکتے تھے لیکن اب انہیں مجھ سے بہتر استاد کی ضرورت تھی، میرے ایک ہم عمر دوست شیخ العتاسی تھے جو کہ شام (Syria) سے تھے اور انہیں قرآن پاک سے بہت شغف تھا، میں نے ان سے درخواست کی کہ ڈاکٹر نجات صاحب کو پڑھائیں، انہوں نے بخوشی اس کام کو قبول کیا، شروع شروع میں وہ ہفتہ میں صرف ایک دن پڑھاتے، لیکن دونوں کو یہ سلسلہ اتنا اچھا لگا کہ وہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ مل بیٹھتے، شیخ صاحب تجربہ کار استاد تھے اور ان کے اصل عربی تلفظ سے ڈاکٹر نجات صاحب کے قرآن پاک پڑھنے میں اور مٹھاس پیدا ہوگئی، ڈاکٹر نجات صاحب فجر کی نماز سے پہلے بیوی بچوں کو چھوڑ کر مسجد آتے، فجر کی نماز کے بعد اپنے استاد سے مستفید ہوتے اور پھر مسجد سے ہی سیدھے کام پر چلے جاتے، استاد وشاگرد کو یہ سلسلہ اتنا پسند تھا کہ سردی برف یا طوفان میں بھی ناغہ نہ کرتے، شیخ صاحب کو اپنے شاگرد پر بہت فخر تھا وہ مجھ سے کہتے: نجات کا تلفظ تم سے اچھا ہے، جو کہ روز روشن کی طرح واضح حقیقت تھی، اب ڈاکٹر نجات صاحب کا یہ عالم تھا کہ جہاں سے بھی قرآن پاک کھولیں اسے بخوبی پڑھ سکتے تھے، انہوں نے اپنے طور پر قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھنا شروع کر دیا جس سے انہیں قرآنی آیات کی صحیح اہمیت کا پتہ چلا اور اسے پڑھنے میں اور لطف آنے لگا، یہی نہیں بلکہ نجات صاحب نے سورتیں زبانی یاد کرنی بھی شروع کر دیں، آخری بار جب ان سے میری ملاقات ہوئی وہ قرآن پاک کے آخری پارہ کا نصف حصہ زبانی یاد

کر چکے تھے۔

یہ ایک المیہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں اعزازی طور پر کام کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں، اکثر لوگ نکتہ چینی سے ہی اپنا پیٹ بھرتے ہیں، اور اگر کچھ کر بیٹھیں تو اس کا کسی نہ کسی شکل میں صلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں، ڈاکٹر نجات صاحب نے خود بخود اعزازی طور پر اپنی خدمات امتِ مسلمہ کے لئے وقف کر دیں، وہ اکثر نماز فجر کے لئے مسجد کھولتے گو وہ ہم سب سے دور رہتے تھے، وہ کاروں کی پارکنگ کی جگہ سے لے کر مسجد کے دروازہ تک برف ہٹاتے اور اس سیمنٹ پر نمک چھڑکتے تاکہ کوئی پھسلنے نہ پائے اور زخمی نہ ہو، نجات صاحب کی یہ خدمات بہت قابلِ تحسین ہیں کیونکہ پھسل کر گرنے کی صورت میں کوئی بھی اپنے مالی اور جانی نقصان کے لئے مسجد کے خلاف مقدمہ کرسکتا ہے جس کے نتیجہ میں انشورنس کمپنیاں مسجد کو انشورنس دینے سے انکار کرسکتی ہیں، پس اس ملک کے حالات کے مطابق نجات صاحب کی خدمت بے مثال تھیں، کیونکہ کوئی اور شخص صبح سویرے اٹھ کر ایسا کام اعزازی طور پر سرانجام دینے کو کہاں ملتا ہے۔

نجات صاحب ہر اتوار کو بچوں کے لئے مسجد میں اسلامک اسکول میں بھی مدد فرماتے حسب معمول ظہر کی نماز سے پہلے مسجد پہنچ کر اسی طرح برف وغیرہ ہٹاتے اور طلباء واساتذہ کے لئے مسجد کے دروازے کھولتے، والدین سے بچوں کی فیس اکٹھی کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، انہوں نے یہ کام بھی بطریقۂ احسن سرانجام دیا، اور کسی کے بھی والدین کو ناراض نہ ہونے دیتے، قدرتی طور پر ان کی طبیعت دھیمی اور غیر مشتعل تھی، اسلامی تعلیم اور عملِ پیہم نے اور بھی انکساری پیدا کر دی تھی، وہ بچوں کے لئے مٹھائیاں خریدتے جو کہ اسکول کے دوران تقسیم کی جاتیں، وہ مسجد کے باورچی خانہ کو اکیلے صاف کرتے اور ریفریجریٹر میں غیر ضروری جمع برف کو وقتاً فوقتاً نکالتے، اپنی ان خدمات کا کسی پر احسان نہ جتلاتے۔

ایک بار رمضان میں تراویح کے بعد میں نے مسجد کو بند کرنا چاہا اور میں فرداً فرداً سب کمروں کی روشنیاں بند کرنے لگا اس وقت سب لوگ جا چکے تھے، مَردوں کے غسل خانہ اور وضو کے کمرے میں داخل ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈاکٹر نجات صاحب غسل خانوں کی چپکے

چپکے صفائی کررہے ہیں، میں نے بہت متاثر ہوکر ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی، ایسی صورت میں یا تو ان کے چہرے پر تھوڑی سی سرخی آجاتی تھی یا وہ نہایت مختصر مسکراہٹ کے بعد موضوع بدل دیتے تھے گویا یہ خدمات کوئی بڑا کارنامہ نہیں، نجات صاحب نے یہ خوب سمجھ لیا کہ:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

ڈاکٹر نجات صاحب صرف مسجد کے اندر ہی عمل پیرا نہ تھے، یہ مسجد تقریباً اڑھائی ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی، نجات صاحب اس مسجد کے گھاس والے حصہ پر ہر سال کھاد ڈالتے اور خود رَو بوٹیوں کو مارنے کے لئے بھی دوائی کا چھڑکاؤ کرتے، اس کھاد اور برف کے لئے نمک وغیرہ کا خرچ بھی اپنی جیب سے دینا پسند کرتے، نجات صاحب دبلے پتلے اور لمبے جوان تھے وہ بعض اوقات مسجد میں سوکھے درختوں کو کاٹنے میں بھی حصہ لیتے۔

ہمیں نجات صاحب کی خدمت رمضان کے مہینہ میں اور زیادہ پسند تھیں، وہ ہر میزبان کی مسجد میں افطاری کرانے اور کھانے کے انتظام میں مدد فرماتے، ہر کھانے کے بعد مسجد کی دری کو صاف کرنے کی دوسروں کو ترغیب دینے کے بجائے خود ہی صفائی کرنے لگتے، ہر سال عید کی نماز کے بعد مسجد میں سموسے اور مٹھائیاں بانٹی جاتیں، نجات صاحب امریکہ سے ونڈسر (کینیڈا) جاکر مسجد کے لئے سستے داموں سموسے خرید کر لاتے ہر طرح سے مسجد کا مفاد اُن کے ذہن میں ہوتا، ان کا ایک اور مخصوص عمل یہ تھا کہ عید کی نماز کے بعد رنگ برنگے غباروں میں بچوں کو ہوا بھر کر دیتے جس سے بچوں اور ان کے والدین کے دل کھل جاتے۔

نجات صاحب ہر ایک گھر میں مقبول تھے، وہ لوگوں کو عید کے دن اپنے گھر دعوت دیتے جس میں لوگ جوق در جوق جمع ہوجاتے، عید کا خطبہ دینے کے بعد میری کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ جلد از جلد نجات صاحب کے گھر پہنچوں اور لذیذ کھانے کی چیزوں سے بلاتکلف پیٹ بھر کر عید کی خوشی کو دوبالا کرلوں۔

ایک دن میں نے نجات صاحب سے سنجیدگی سے پوچھا: اب آپ کو قرآن پاک اور دیگر

اسلامی افکار واحکام کا کافی علم ہے، سچ سچ بتائیں کہ اسلام آپ کو کیسا لگتا ہے؟ نجات صاحب بہت باوقار طریقہ سے کہنے لگے: اللہ شاہد ہے کہ قرآن پاک سے میرے دل پر ایسا سکون طاری ہوا ہے جو کہ ہندو مذہب اور عیسائیت سے مجھے نہ مل سکا، قرآن پاک کا اثر بالکل معجزانہ ہے۔

نجات صاحب بھری مسجد میں کئی بار نماز کی امامت کے فرائض بھی ادا کرتے ہیں، اس سے واضح ہے کہ اسلام میں کئی دوسرے مذاہب کی طرح اجادہ داری اور رہبانیت نہیں، جو شخص بھی علم وتقوی میں افضل ہو اسلامی لیڈر بن سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: ’’اللہ کے نزدیک تم سب میں سے عزت والا (افضل) وہ ہے جو کہ تقویٰ میں برتر ہو۔‘‘ اس سے واضح ہے کہ اسلام میں امام بننے یا دیگر اسلامی خدمات میں لیڈر بننے کے لئے کسی رنگ روپ، جائے پیدائش نسل اور قومیت کا بالکل کوئی عمل دخل نہیں، ہر مسلمان کا حق مساوی ہے، علم وتقویٰ کے ذریعے انسان دوسروں پر سبقت لے جاسکتا ہے۔

میری عاجزانہ دعا ہے: اللہ تعالیٰ نجات صاحب کی فیملی کی بے لوث خدمات کا انہیں اجرِ عظیم عطا فرماویں، اور ہم سب کو بھی ایسا ہی مخلص مسلمان بننے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرماویں۔ آمین

نماز جنازہ

حرمین شریفین میں فرض نماز کے بعد اکثر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ زائرین کرام کو چاہئے کہ امام صاحب کے ساتھ پہلے نماز جنازہ ادا کریں۔ اور دیگر سنتیں اور نوافل اس کے بعد ادا کریں۔ کیونکہ نماز جنازہ کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ واضح رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتیں اور نوافل گھر جا کر ادا کرتے تھے۔

جم (Jim)

ایک امریکی نوجوان اور اس کی گرل فرینڈ کا قبول اسلام

مغربی ممالک میں مقیم بعض مسلمان روزمرہ کی اسلامی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور مسجد یا اسلامی مدرسہ وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اس میں نئے یا پیدائشی مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، جس کو بھی اللہ توفیق دے وہ دل وجان سے اللہ کے کام میں لگ جاتا ہے۔

ایک دن توحید سینٹر آف ڈیٹرائٹ میں یہ طے ہوا کہ فجر کی نماز کے بعد ہم سب چند کاروں میں توحید سینٹر آف فارمینگٹن ہل جائیں گے اور وہاں پر غیر ضروری درختوں اور ان کی شاخوں کو گیس کے آروں سے کاٹیں گے، پھر ان کے چھوٹے چھوٹے بنڈل باندھ کر لبِ سڑک رکھ دیں گے تاکہ بلدیہ انہیں اٹھا لے جائے، اس طرح سے اس مسجد کے صحن کی کافی حد تک صفائی ہو جائے گی۔

صبح کی نماز اور ذکر وغیرہ کے بعد ہم دو کاروں میں روانہ ہوئے، جم نیا مسلمان تھا اور اس مسجد میں بھی نووارد تھا وہ میری کار میں بیٹھ گیا، باقی سب دوسری کار میں، جم تقریباً بائیس سال کی عمر کا نوجوان تھا اور نہایت زیرک اور معاملہ فہم، میں نے اس سے پوچھا: وہ کیا چیز تھی جس نے تم کو اسلام کے زیور سے آراستہ کر دیا؟ جم نے اس سفر کے دوران مجھے تفصیل سے اپنی گذشتہ زندگی سے آگاہ کیا۔

کہنے لگا اس معاملہ کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ایک چرچ جایا کرتا تھا، میرے والدین اس چرچ میں عبادت کرنے کے لئے اپنی آمدنی کا تقریباً دس فیصد

چرچ کو دیتے، میرے والدین کو اس چرچ کے نظریات اور عبادات کا طریقہ بھی مناسب نہ لگا، میرے والدین نے اس سے مختلف نظریات کے عیسائی چرچ سے رجوع کیا، وہاں بھی انہیں اپنی آمدنی کا تقریباً آٹھ فیصد ہر ماہ دینا پڑتا تھا، چونکہ میرے والدین کو اس چرچ کے نظریات پہلے سے بہتر لگے اس لئے وہ اسی چرچ سے مستقل طور پر منسلک ہو گئے، میری سب سے پہلی الجھن یہ تھی کہ عبادت کرنے کی جگہ کے لئے جبراً پیسے دینے کیوں ضروری ہیں؟ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں عبادت کرنے کے لئے پیسے دینے ضروری نہ ہوں۔

میں نے ہائی اسکول سے فارغ ہونے کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں میں نے کئی بین الاقوامی مسلم طلباء سے پوچھا کہ کیا تمہیں بھی عبادت کرنے کے لئے پیسے دینے ہوتے ہیں؟ سب نے کہا بالکل نہیں، بلکہ عبادت کی جگہ کے استعمال کا حق سب کے لئے مساوی ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ مغربی ممالک میں یونیورسٹی کیمپس کا ماحول اور فضاء بہت آزادانہ ہوتی ہے، بگڑنے والے بگڑ جاتے ہیں اور بننے والے بن جاتے ہیں، طلباء کا آپس میں تبادلہ خیالات قابلِ رشک ہے، اس لئے کہ وہ کسی کے سوال کا جواب نہ تو اتنا مختصر دیتے ہیں کہ دوسرے کے پلے کوئی بات نہ پڑے، اور نہ ہی بال کی کھال نکالتے ہیں جس سے سوال کرنے والا اکتا جائے۔ اس طرح سے سوال کرنے والے کا بار بار سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، یہ طلباء ایک دوسرے کو اپنے خیالات کے پوری طرح تابع کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے تاکہ دوسرا شخص ان سے نالاں نہ ہو جائے، علاوہ ازیں ہم عمر اور ہمعصر ہونے کے باعث ایک دوسرے کی بات کا اثر بھی زیادہ لیتے ہیں، اس طرح سے یہ مفاہمانہ تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یہ ہمارے بعض واعظین کے لئے مشعل راہ ہے۔

جم نے اپنے دل میں سوچا یہ بات بہت معقول ہے کہ عبادت کے لئے جبراً پیسے دینا لازم نہ ہو، ایسے مذہب کے بارے میں مجھے مزید کھوج لگانی چاہئے، جم عیسائی چرچوں سے دل برداشتہ ہو چکا تھا اور والدین کے ساتھ کسی بھی چرچ جانا چھوڑ دیا تھا، یونیورسٹی میں بین الاقوامی مسلم طلبا سے گاہے بگاہے تبادلہ خیالات کرتا رہتا، جم نے اپنی باقی حکایت یوں بیان کی:۔

میں اور میری گرل فرینڈ (girl friend) ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے میری گرل فرینڈ بدھ مت کی پیروکار تھی اس نے گھر میں ہر جگہ کئی بت رکھے ہوئے تھے لیکن نہ تو وہ پوری طرح سے بدھ مت پر قائم تھی اور نہ میں عیسائیت پر، اسے میری بات چیت سے پتہ چلتا تھا کہ میں کسی نئی راہ کی تلاش میں ہوں، ایک دفعہ وہ کرسمس پر میرے لئے تحفہ خریدنے کے لئے بازار گئی۔

کرسمس ایک ایسا موقع ہے جس میں مذہب کی قید نہیں۔ مغربی ماحول میں ہر کوئی دوسرے سے کرسمس کے تحفے کی توقع رکھتا ہے، مثلاً یہودی جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بالکل یقین نہیں رکھتے اس میں پیش پیش ہوتے ہیں اور اپنے بزنس اور عمارت میں بہت بڑے کرسمس ٹری لگانے میں پہل کرتے ہیں۔

جم نے کہا کہ میری گرل فرینڈ نے مارکیٹ میں ایک کتاب دیکھی جو کہ اسے قدرے فلسفیانہ لگی، اس نے سوچا کہ جم ہر وقت انوکھی باتیں کرتا ہے شاید اس کو یہ کتاب پسند آجائے، اس نے وہی کتاب میرے لئے کرسمس کے تحفہ کے طور پر خرید لی، میں نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی، وہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ تھا، میں نے اسے خوب دل لگا کر پڑھا، ہر روز میرے دل میں نئے نئے سوال پیدا ہوتے مجھے مسلم طلباء سے ان کا نہایت معقول جواب مل جاتا تھا، میرا دل ودماغ اسلام کے لئے تیار ہو گیا، میں نے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے ممبران سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، انہوں نے مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں بھی مسلمان ہو گیا۔ الحمد اللہ

مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ نماز اسلام کا بہت اہم رکن ہے، میں بعض نمازیں یونیورسٹی کیمپس میں پڑھتا اور بعض گھر میں، میں نے اپنی گرل فرینڈ سے کہا کہ ڈرائنگ روم سے سب بت نکال لو کیونکہ مجھے یہاں نماز پڑھنی ہوتی ہے، اس کو میری یہ بات بہت شاق گزری کیونکہ کسی کے مذہب میں عمل دخل بہت ناقابل برداشت ہوتا ہے، اس بے چاری نے مجھے خوش کرنے کے لئے ڈرائنگ روم سے بت ہٹا دیئے اب جوں جوں میری اسلامی تعلیم اور عقیدہ پختہ ہوتا گیا میں

نے اپنی گرل فرینڈ سے بیزاری کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ہماری کئی باران بن ہوئی وہ بار بار کہتی میں ہر طرح سے تجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں اور مجھ میں ذرا بھر بھی تغیر نہیں آیا، آخر وہ کیا چیز ہے جس نے تجھے مجھ سے بے رخی اور بیزاری پر آمادہ کر دیا ہے؟ میں نے اسے سنجیدگی سے کہا: جو کچھ تم کہتی ہو صحیح ہے لیکن اب میں مسلم ہوں، ایک غیر مسلم سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کرسکتا، میری فرینڈ خوب سمجھتی تھی کہ میں بذاتِ خود کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور میرا رویہ سب کے ساتھ شریفانہ اور بھلا ہے، وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑنا نہ چاہتی تھی، مجھ سے پوچھنے لگی: مجھے کیا کرنا ہوگا جس سے ہمارے تعلقات برقرار رہ سکیں؟ میں نے جواب دیا: تمہیں مسلمان بننا ہوگا، پھر پوچھنے لگی: اسلام کیا ہے؟ میں نے اسلام کی موٹی موٹی باتیں اسے بتائیں، اس تھوڑے عرصہ میں یہ باتیں اس کے دل میں پوری طرح نہ اتریں لیکن وہ پھر بھی مجھے خوش کرنے کے لئے مسلمان بن گئی اور اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس گھر کو بتوں سے پاک کیا۔

ہم دونوں کی شادی ہونے کے بعد ہم مقامی مسجد میں جاتے، اس طرح سے روز وشب گزرنے لگے، میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی پانچوں نمازیں باقاعدگی سے نہیں پڑھتی، میں نے اس سے غصے میں کہا: تم کس طرح کی مسلمان ہو کہ پانچوں نمازیں بھی نہیں پڑھتی، وہ کہنے لگی: میں کوشش تو کر رہی ہوں، میں نے ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کیا تو وہ رونے لگی اور اس شہر کی مسلمان عورتوں سے مجھ سے ناچاقی کا ذکر کیا، اسلامی حلقہ کے اکابرین کو بات سمجھ میں آ گئی، انہوں نے ایک باوقار میاں بیوی کو بھیجا تاکہ ہم دونوں کی مصالحت کرائیں، ان دونوں نے مجھ سے پرزور انداز میں کہا: تمہاری بیوی نئی مسلمہ ہے، اسلام جسم وروح میں آہستہ آہستہ رچتا ہے تمہیں ایسی سختی نہیں کرنی چاہئے، اس سے میرے رویہ میں ذرا فرق پڑ گیا۔

میرے اسلام لانے سے پہلے جب کبھی میں اپنے ہم عمر امریکی دوستوں میں کھڑا ہوتا تو ہم سب بیک وقت باتیں کرتے اور کوئی کسی کی نہ سنتا، اسلام لانے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ میں اکثر خاموش رہتا ہوں اور صرف اس وقت بات کرتا ہوں جب کہ دوسرے خاموش ہوں، میرے ساتھیوں نے مجھ میں بہت بڑا تغیر دیکھا، مجھے اور بھی بھلا مانس اور شریف النفس پایا، وہ

حیران تھے کہ آخراس کو یک لخت کیا ہوا ہے، وہ آپس میں اکثر بے ہودہ باتیں کرتے رہتے، مجھے ایسے ماحول میں بہت گھٹن محسوس ہونے لگی۔

والدین کی اور میری سوچ بھی بالکل مختلف تھی، مجھے اس فضا میں رہنا دشوار محسوس ہونے لگا، میں چاہتا تھا کہ ان اختلافات اور دباؤ سے باہر ہوکر یکسوئی کے ساتھ اسلام پر کار بند ہو جاؤں، اس لئے میں نا صرف اس شہر کو بلکہ والدین اور دوستوں کو چھوڑ کر یہاں ڈیٹرائٹ آ گیا ہوں، میری بیوی یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے وہیں رک گئی ہے، یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، میں اپنی یونیورسٹی کے پرانے ساتھی احمد کے پاس آیا ہوں، جو کہ ملائیشیا اور انڈونیشیا کی مسلم تنظیم کا ناظم اعلیٰ ہے اس نے مجھے رہنا سہنا کھانا غرضیکہ ہر چیز مفت دیدی ہے اور اسی وجہ سے میں اس کے ساتھ ہی یہاں مسجد آتا ہوں، مجھے اس مسجد میں بہت روحانیت محسوس ہوتی ہے۔

اس مسجد کے نمازی جم سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اسے کئی تحفے دیئے، جم نے کام کی تلاش شروع کردی، اسے ایک اچھا خاصا کام بھی مل گیا، کچھ دنوں کے بعد اس نے بتایا: میں نے کام چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں نیا ملازم ہوں اس لئے کارخانے کا مالک مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کی چھٹی نہیں دیتا۔

جم نے قرآن پاک کی کئی سورتیں زبانی یاد کرلیں اس کا تلفظ بھی بہت اچھا تھا، میں نے پوچھا: کیا تمہارے میزبان احمد نے تم کو ان سورتوں کی قرأت سکھائی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ اس گھر میں کمپیوٹر ہے جس میں سی ڈی پر قرآن پاک موجود ہے میں نے اسے بار بار سن کر خود ہی یاد کرلی ہیں۔

ایک دن جم نے مجھ سے کہا: کیا میں مسجد سے انگریزی میں مترجم قرآن پاک خرید سکتا ہوں؟ میں نے اسے بتایا کہ یہ نومسلم کے لئے فری ہیں، جتنے نسخے جی چاہے لے لو، اس نے کہا: مجھے ایک اپنی ماں کے لیے چاہیے، ممکن ہے کہ میری طرح وہ بھی یہ پڑھنے پر ہدایت پالے، اس کے علاوہ مجھے کچھ نسخے اپنے دوستوں کے لئے چاہئے ہیں، میں نے اس سے کہا: تم کسی سے

پوچھے بغیر یہ نسخے لے سکتے ہو۔

اسی دوران جم کی ایک تبلیغی گروپ سے ملاقات ہوگئی، اس گروپ کی ایک اچھی صفت یہ ہے کہ اس کے اراکین نئے مسلمانوں کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں، انہیں نہ صرف ابتدائی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اسلامی ماحول و معاشرہ سے بھی خوب مانوس کرتے ہیں، اس کام میں یہ دوسرے اسلامی گروپوں سے پیش پیش ہیں، جم اس تبلیغی تنظیم سے منسلک ہوگیا اور ان کے ساتھ کئی ریاستوں میں تعلیم و تبلیغ کے سلسلے میں جایا کرتا تھا، کئی مہینوں کے بعد ایک آدھ رات کے لئے ڈیٹرائٹ آتا تو مسجد توحید میں اس سے ملاقات ہو جاتی، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس زندگی اور جوانی کو جوانی دینے والی ذات پر فدا کر دیا ہے جو شیوۂ پیغمبری ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کی عادت میں سے ہے، کیونکہ بڑھاپے میں تو ایک ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار سا بن جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

حدیث

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے سب سے افضل کونسی آیات ہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے افضل کونسی آیات ہیں؟'' میں نے عرض کیا: آیت الکرسی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر (شاباش کا) ہاتھ مارا۔ اور فرمایا: ''اے ابوالمنذرؓ! تجھے علم مبارک ہو''۔ (مسلم شریف)

نوٹ: کیونکہ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفتیں اور ناموں کی جڑیں مذکور ہیں۔

رینڈہ ٹوشنر (Renda Toshner)

ایک ترکی آرکیٹیکٹ (Architect)

رینڈہ ٹوشنر امریکہ میں ایک ترکی گھرانے میں پیدا ہوئے، اس طرح سے وہ پیدائشی طور پر ایک امریکی شہری تھے، ان کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں ڈاکٹر تھے اور وہ عرصہ دراز سے امریکہ میں مقیم تھے، دونوں بطور ڈاکٹر امریکی عوام کی خدمت کررہے تھے۔

رینڈہ صاحب کے والدین مسلمان تھے، اس لئے رینڈہ صاحب کی پیدائش ایک مسلم گھرانے میں ہوئی، لیکن رینڈہ صاحب اپنی ابتدائی زندگی میں اسلام سے بالکل بے بہرہ تھے، جب وہ جوان ہوئے اور یونیورسٹی میں پہنچے تو پہلی بار اسلام سے متعارف ہوئے، ان کی زندگی کی سرگزشت ہمارے لئے بہت سبق آموز ہے، اس سے پہلے کہ میں یہ کہانی بیان کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ اس شہر میں مقیم ترکی معاشرہ کا سرسری ذکر کروں تاکہ آپ رینڈہ صاحب کی زندگی کے نشیب وفراز کی وجوہات سمجھ سکیں۔

امریکہ کی میشیگن ریاست کا ایک معروف شہر ڈیٹرائٹ (Detroit) ہے، ترکی لوگ اس شہر میں تقریباً ساٹھ سال پہلے آئے، اب ان کی تیسری نسل یہاں پروان چڑھ رہی ہے، ان ترکی احباب میں سے اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے، بعض اعلیٰ ملازمتوں میں شریک ہوئے اور بعض کامیاب کاروبار چلا رہے ہیں، گویا ان کا تعلق گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں اور کاروباری دنیا کے کرتا دھرتا لوگوں سے ہے۔ میرا تعارف ان سے ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ ہوا، میں اس علاقہ کی ایک مسجد میں امام کی حیثیت سے اعزازی طور پر کام کررہا تھا، اس مسجد کا نام توحید سینٹر آف فارمینگٹن ہل ہے، بطورِ امام مجھے ترکی احباب کے چند افراد کی نماز جنازہ ادا کرنے کا اتفاق ہوا، بعد میں مجھے ان کے ترکی سوشل کلب میں بھی مدعو کیا گیا اور ان کے گھروں

میں بھی اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا، مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ان میں سے بعض کنبے امریکی سوسائٹی میں بالکل گھل مل گئے ہیں، مجھے ایک صاحبِ وقار ترکی بھائی نے اپنی بیٹی اور پوتی سے تعارف کروایا، اور بلا جھجک کہنے لگے: مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ میری یہ پوتی کھانے کی میز پر دعا مانگتی ہے تو اپنے ہاتھوں سے وہی حرکات کرتی ہے اور زبان سے وہی الفاظ کہتی ہے جو عیسائی لوگ کہتے ہیں، بے چاری اسلامی دعا و آداب سے بالکل بے بہرہ ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ معاملہ صرف ترکی گروپ کا ہی خاصہ نہیں بلکہ امریکہ میں کئی اور مسلمان گروپ دولت کی ریل پیل میں گم ہو کر اپنی اصلیت کھو چکے ہیں، لیکن ترکی اور دیگر مسلمان گروپوں میں ایسے بھی افراد ہیں جو امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اپنے مادر وطن کے مسلمانوں سے بدرجہا بہتر مسلمان ہیں، اور اسلام کی تعلیمات پر نہایت اخلاص پر ساتھ کاربند ہیں، اسی طرح بعض والدین کے بعض امریکی بچے اپنے والدین سے بھی بڑھ کر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، یقیناً ہدایت اور توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

پس رینڈہ ایک متمول مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے اور حسبِ معمول ہائی اسکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر انہوں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، جہاں ان کا بین الاقوامی مسلمان طلباء سے رابطہ قائم ہوا، امریکی ماحول کی یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ اکثر امریکی یونیورسٹیوں میں طلباء کو مکمل آزادی حاصل ہے، وہ اپنی زندگی جس رنگ ڈھنگ سے بسر کرنا چاہیں بآسانی ویسی ہی زندگی اور طرز حیات کو اختیار کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ خوامخواہ مداخلت نہیں کرتے، بلکہ ایک دوسرے کے طرز حیات کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، اکثر طلباء اس آزادی کے باعث مثبت روش پر گامزن ہو جاتے ہیں، رینڈہ صاحب کو اسلامی تعلیمات سادہ اور پُر معنی لگیں، انہیں اسلام سے دلچسپی پیدا ہو گئی انہیں تعجب ہوا کہ ایک مسلم گھرانے کے چشم و چراغ ہونے کے باوجود اسلام سے بالکل بے بہرہ کیوں ہیں، اس کی تلافی کے لئے وہ ہر روز نہایت ذوق وشوق سے اسلام کی تعلیمات سیکھتے اور حسبِ استطاعت ان پر عمل کرتے، عمل کی مٹھاس سے ان کی تشنگی اور بھی بڑھ جاتی، اور اللہ تعالیٰ ان کی علم کی پیاس اور تربیت حاصل کرنے کی توفیق کو اور بھی بڑھا دیتے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں مسلم طلباء کا کردار بے مثال ہے، یہ طلبا نہایت اخلاص سے اپنے ساتھیوں میں اسلام کا چرچا کرتے ہیں اور اس کے نتائج بہت قابل تحسین ہیں، دراصل انہی طلباء کی دن رات کی کاوشوں کے باعث شہر شہر میں اسلام کی داغ بیل پڑی اور مساجد و مدرسے قائم ہوئے اور کئی اسلامی لیڈران یونیورسٹیوں میں تربیت پانے کے بعد منظرِ عام پر آئے، اور اپنے اپنے علاقے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

رینڈہ صاحب دنیاوی تعلیم میں بھی ممتاز تھے، انہوں نے آرکیٹیکٹ انجینئر کی تعلیم حاصل کی، پھر امریکی لائسنس کا امتحان دیا، یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر لوگ یہ امتحان تین یا چار کوششوں کے بعد پاس کرتے ہیں، لیکن رینڈہ صاحب نے یہ امتحان پہلی بار ہی پاس کرلیا اور میشیگن (Michigan) ریاست کے شہر این آر بر (Anarbor) کے ایک بڑے ادارے میں کام کرنے لگے۔

بتدریج رینڈہ صاحب نے اسلامی علم کے حصول میں خاصی ترقی کی، اس شہر کی مسجد سے بہت استفادہ کیا، اس دوران رینڈہ صاحب کے والدین ریٹائر ہوکر واپس ترکی چلے گئے، تا کہ باقی ماندہ زندگی مادر وطن میں گزاریں، لیکن رینڈہ صاحب نے امریکہ میں رہی رہنا پسند کیا، انہیں این آر بر شہر کی اسلامی فضا بہت پسند آئی، وہ اسلامی سرگرمیوں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے، میں این آر بر کی مسجد میں مہینہ میں ایک بار جمعہ کا خطبہ دیا کرتا تھا، میں نے تقریباً ہر بار رینڈہ صاحب کو اذان دیتے دیکھا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک جمعہ کے خطبہ کے دوران میں نے یوسف علیہ اسلام کا واقعہ بیان کیا اور یہ ذکر کیا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آپ کو ایک بھیڑیا کھا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی خون آلودہ قمیض اپنے والد صاحب کو پیش کی، اسی طرح جب عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام سے محبت کرنا چاہی تو یوسف علیہ السلام کی قمیض سے ثابت ہوا کہ عزیز کی بیوی جھوٹی ہے اور یوسفؑ پاکباز ہیں، کچھ عرصہ کے بعد یوسف علیہ السلام کی قمیض کے ذریعے آپ کے والد صاحب کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئی، اس کے بعد میں نے ذکر کیا کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیض سے ایسے معجزے صادر

ہو سکتے ہیں تو اس شخص کا کیا کہنا جو یہ قمیض پہنتے تھے، رینڈہ صاحب کو یہ باتیں بہت پسند آئیں، جمعہ کی نماز کے بعد جب میں گھر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے فون پر پوچھا کیا یہ تمہارے اپنے خیالات ہیں؟ میں نے انہیں بتایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میں کوئی عالم فاضل نہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر خود کروں، میں ہر بات مستند تفسیروں کے حوالے سے بیان کرتا ہوں۔

اسلامی تعلیمات رینڈہ صاحب کے دل و دماغ میں سرایت کر گئیں، جیسا کہ ان کے لباس اور چال ڈھال سے بھی واضح تھا، آپ امریکی ماحول میں بھی ہر وقت اسلامی لباس زیب تن رکھتے، اسلامی ترکی لباس ان کے جسم پر خوب بھلا لگتا، وہ امریکی فرم میں کام کے دوران بھی یہی لباس استعمال کرتے، ایک دن میں نے ان سے استفسار کیا کہ آپ کی فرم آپ کی اس لباس پر اعتراض تو نہیں کرتی کیونکہ آپ ان کے کام کاج کے سلسلہ میں ان کی کئی جگہ نمائندگی کرتے ہیں؟ رینڈہ صاحب کہنے لگے کہ فرم کے مالک کو مجھے اسی لباس میں قبول کرنا ہوگا، میں محض ملازمت کی خاطر اپنی اصلیت نہیں بدلوں گا، میں نے پھر پوچھا کہ کیا بعض لوگ آپ کے ساتھ کام کاج کے سلسلہ میں اسلامی لباس کی وجہ سے تعصب سے تو پیش نہیں آتے؟ رینڈہ صاحب نے برجستہ فرمایا: یہ ان کی ذاتی مشکلات ہیں، میں ان کی پسندیدگی یا تعصب کی پرواہ نہیں کرتا۔

مجھے ذاتی طور پر رینڈہ صاحب کا لباس بہت شریفانہ اور بارعب لگتا، یہاں تک کہ ایک دن میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی ترکی طرز کا عمامہ باندھنا سکھائیں۔

ان کا صرف ظاہر و باطن ہی اسلامی نہ تھا بلکہ آپ اپنا فارغ وقت اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کرتے، وہ اس ریاست کی مختلف جیلوں کے قیدیوں کو ہر ہفتے تبلیغ کرتے ان کے تجربات بہت مثبت تھے، ان کا خیال تھا کہ ان قیدیوں کو مخصوص اسلامک لٹریچر چاہیئے چنانچہ انہوں نے کئی کتابچے اپنے قلم سے تیار کئے اور اپنے ہی خرچ سے انہیں شائع بھی کیا، انہوں نے اشاعت سے پہلے ان کی اصلاح کے لئے مجھے دیا، میں نے ان کتابچوں کو تعلیم و ترتیب کے لئے بہت موزوں اور موٴثر پایا۔

اکثر جیلوں کا فاصلہ شہروں سے بہت زیادہ ہوتا ہے وہاں آمد و رفت کے لئے خاصا وقت

درکار ہوتا ہے، اس کے علاوہ ایک ایک قیدی کو بھی نہایت صبر اور تحمل مزاجی سے دعوت دی جاتی ہے اس طرح تقریباً نصف یا پورا دن ہی صرف ہو جاتا ہے، ریںڈہ صاحب ہر ہفتے نئے جوش وخروش سے دعوت وتبلیغ کے لئے روانہ ہوتے اور ان سرگرمیوں سے بہت ہی مطمئن ہو کر لوٹتے، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ان کی دعوت سے کتنے لوگ مسلمان ہوئے اور کتنے نئے مسلمانوں کے ایمان کو تقویت پہنچی؟

ریںڈہ صاحب نے فارمنگٹن ہل (Farmington Hill) بستی کی مسجد بنانے میں بہت نمایاں حصہ لیا، اس مسجد کی زمین تقریباً اڑھائی ایکڑ ہے، انہوں نے مسجد اور کاروں کی پارکنگ کے لئے مختلف نقشے تیار کئے، موجودہ مسجد اور پارکنگ انہیں کے نقشوں کے مطابق تعمیر کی گئی ہے، مجھے نقشوں کے بنوانے کا تجربہ نہ تھا، اور ریںڈہ صاحب کی مدد کے بغیر میں مزید ہزاروں ڈالر کے اسراف کا مرتکب ہوسکتا تھا، لیکن انہوں نے نہایت دانشمندی، دوراندیشی اور کفایت سے نقشے تیار کئے جس کے لئے یہ بستی رہتی دنیا تک ان کی مرہون منت رہے گی۔

ریںڈہ صاحب کی ذاتی زندگی بھی بہت سبق آموز ہے، انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں یوں فرمایا ''میں شادی کے لئے ترکی گیا، لیکن اپنے والدین سے کسی متمول گھرانے کی لڑکی کے لئے نہ کہا، بلکہ اپنی مرضی سے ایک متوسط گھرانے میں شادی کرلی، میں جانتا تھا کہ میرے رفیقۂ حیات اسلامی تعلیمات سے بہت زیادہ متعارف نہیں، لیکن میں پُراعتماد تھا کہ انشاء اللہ اپنی اہلیہ کو اسلام کی دولت سے مزین کرلوں گا''، ریںڈہ صاحب خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سب سے پہلے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو تبلیغ کرو، سب پیغمبروں کے لئے یہی ہدایت تھی۔

ریںڈہ صاحب نے نہ صرف اپنی اہلیہ محترمہ کو اسلام کی تعلیمات سے مالا مال کر دیا بلکہ انہیں اپنے دل پذیر کردار کا انمول نمونہ پیش کیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی اہلیہ صاحبہ بھی اسلامی تعلیمات سے خوب فیض یاب ہوئیں اور عمل میں ان سے ذرا پیچھے نہ رہیں، دونوں مل کر آن آربر شہر میں قابلِ رشک زندگی گزارنے لگے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔

ایک منظر میری آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوگا، وہ کئی بار میرے گھر کھانے کی دعوت پر

آئے، نماز کے وقت میں اور میرے باقی مہمان فرض نماز کے بعد سنتیں ادا کر کے کھانے کی میز پر پہنچ جاتے، لیکن ہر بار رینڈہ صاحب نہایت سکون سے اپنی نماز ادا کرتے رہتے، ان کا نماز میں انہماک، توجہ اور طمانیت ہم سب کے لئے قابلِ رشک تھی، اور یہ ان کی چال ڈھال اور چہرے سے نمایاں تھی، کاش ہمیں بھی ایسے سجدے نصیب ہو جائیں۔

وہ سجدہ جس سے روحِ زمین کانپ اٹھتی تھی
ترس رہے ہیں اسے آج منبر و محراب

رینڈہ صاحب باتیں کم اور عمل زیادہ کے قائل تھے، وہ اسلامی سرگرمیوں میں اور بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہتے تھے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب بوسنیا کی جنگ عروج پر تھی، ہر روز ہزاروں مسلمان شہید ہو رہے تھے اور مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کی جارہی تھی، مسلمان یتیم بچے بلبلا رہے تھے، دنیا کے کئی ممالک کے مسلمان نوجوان ان کی حسب المقدور مدد کے لئے بوسنیا جارہے تھے، رینڈہ صاحب بھی بوسنیا چلے گئے اور اپنی فیملی کے لئے ترکی کے ایک طالب علم کو ولی مقرر کر دیا، رینڈہ صاحب نے بوسنیا روانگی سے پہلے مجھے فون کیا اور الوداعی سلام کے علاوہ اپنی فیملی کے ولی کے متعلق مطلع کیا، انہوں نے بہت سکون اور اطمینان سے بات کی اور میں نے ان کے ارادے میں بہت پختگی پائی، بفضلِ خدا وہ جلد ہی بوسنیا پہنچ گئے، کچھ عرصہ بعد ہمیں اطلاع ملی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؀ ان کی تدفین بوسنیا میں ہی ہوئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آن آربر شہر کے لوگوں کو رینڈہ صاحب پر بہت فخر تھا، رینڈہ صاحب کا اخلاص ہر ایک کے دل میں گھر کر چکا تھا، اس شہر کے لوگوں نے تقریباً ساٹھ ہزار ڈالر جمع کئے اور رینڈہ صاحب کے معصوم بچوں کی کالج کی تعلیم کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کیا۔

رینڈہ صاحب کی اہلیہ صاحبہ نہایت شریف اور معزز خاتون ہیں، رینڈہ صاحب کی شہادت کے بعد بھی وہ گاہے بگاہے بچوں سمیت ہمارے گھر تشریف لاتیں، وہ ابھی بھی اسلامی تعلیمات کے حصول میں کوشاں ہیں، اور دن بدن قرآن کریم کی مزید آیات حفظ کر رہی ہیں اور

رینڈہ صاحب کی طرح اپنے حفظ وغیرہ کو دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دیتیں، ماشاء اللہ ایک مثالی اسلامی زندگی گزار رہی ہیں، بے شک ایک شہید کی بیوی کو یہی زیب دیتا ہے۔

رینڈہ صاحب کی بچیاں بھی انہی کی طرح بہت زیرک اور فہمیدہ ہیں اور ان کی والدہ انہیں اسلامی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کررہی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی رینڈہ صاحب کا اخلاص، ایثار اور قربانی کا جذبہ عطا فرما دیں۔ آمین!

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ رینڈہ صاحب کے ترکی میں مقیم والدین کا کہنا ہے کہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم ایک شہید کے والدین ہیں، اسی طرح فارمینگنٹن ہل بستی کے شہری بھی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کی مسجد کا ڈیزائن ایک شہید نے بنایا تھا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اہم یاددہانی

واضح ہو کہ بغیر وضو نماز قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا وضو کے دوران مندرجہ ذیل امور کی احتیاط فرمائیں۔

۱۔ کہنیاں خشک نہ رہیں ۲۔ ٹخنے خشک نہ رہیں

نماز کے دوران مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں:

۱۔ امام صاحب کی کسی حرکت سے پہلے آپ وہ حرکت نہ کریں۔

۲۔ رکوع کے بعد بالکل سیدھے کھڑے ہوں۔

۳۔ دو سجدوں کے درمیان ٹھیک طرح سے بیٹھیں۔

۴۔ سجدے کے درمیان پاؤں زمین پر جمے رہیں۔

۵۔ سجدے کے دوران ناک کو بھی زمین سے لگا رکھیں۔

۶۔ سجدے کے دوران کہنیاں زمین سے بلند رکھنی چاہئیں (مسلم)

۷۔ دوڑ کر جماعت میں شامل نہ ہوں بلکہ طبعی چال سے چل کر شامل ہوں۔

صالح ایچان (Saleh Echon)

ایک فلپینی کمپیوٹر انجینئر

عرصۂ دراز سے مختلف مما لک کے لوگ جوق در جوق سعودی عرب آرہے ہیں تاکہ یہاں کام کر کے کچھ سرمایہ جمع کرلیں اور اپنی معاشی زندگی بہتر بناسکیں، اس لحاظ سے یہ ملک نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ غیر مسلم لوگوں کے لئے بھی پُرکشش ہے، صالح ایچان صاحب (Saleh Echon) بھی اسی وجہ سے فلپائن سے سعودی عرب آئے، ان کا پیدائشی نام Jo Paul Echon تھا،سعودی عرب میں قیام کے دوران انہیں کئی تہذیبی اور معاشرتی مسائل سے دو چار ہونا پڑا، جس کے لئے انہیں بے حد جدوجہد کرنی پڑی، ان کی فراست ، محنت اور اخلاص سے عجیب وغریب نتائج آشکار ہوئے، جو کہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے،ان کی دلچسپ کہانی ہر بنی نوع انسان کے لئے مشعل راہ ہے، ایچان صاحب نے اپنی کہانی یوں بیان کی:

ابتدائی مذہبی سرگرمیاں

میری فیملی رومن کیتھولک تھی اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ چرچ جاتی تھی، میں بچپن ہی سے مذہبی سرگرمیوں میں بہت جوش وخروش سے حصہ لیتا تھا، مثلاً جب میں پرائمری اسکول کا طالب علم تھا تو میں چند اورلڑکوں کی مدد سے چرچ کی صفائی کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا، اور چرچ کی سروس کے دوران میں اپنے مذہبی پیشوا کے مددگار کی حیثیت سے ان کے ساتھ کھڑا رہتا تھا، جب میں ہائی اسکول پہنچا تو چرچ کے گانے بجانے والے گروپ میں شامل ہوگیا، میں کبھی تو گیتار (Gitar) بجاتا اور کبھی پیانو (Piano) اور ساتھ ہی طرح طرح کی لے سے گاتا۔ ہمارے ہاں نوجوانوں کا ایک ایسا گروپ تھا جو مذہبی امور میں ہر طرح سے چرچ کی مدد کرتا اور یہ بھی غور وفکر

کرتا کہ کس کس طریقے سے مَیری (Mary) سے محبت بڑھائی جائے اور اس کی پورے انہماک سے پوجا کی جائے، اس گروپ کا نام لیجنڈ آف میری Legend of Mary تھا، میں اس گروپ میں بھی پیش پیش تھا، چرچ میں مَیری کے کئی بت تھے، مثلاً

ورجن مَیری Virgin Mary

مَیری میگڈلین Mary Magdalene

اور امیکولیٹ کنسپشن Immaculate Concepcion

ہمارے گروپ کے لئے بھی مَیری کا ایک مخصوص بت تھا، جس کی ہم بہت شوق سے پوجا کرتے تھے۔

ہمارے چرچ میں عبادت کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہمارے پیشوا صاحب بائبل پڑھتے اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کو سنتے، اس دوران ہمیں بذاتِ خود کبھی بھی بائبل پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کا موقع نہ ملا، سب لوگ صرف سننے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

زندگی کا پہلا انقلاب

میری کالج کی زندگی کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا، میرے ایک دوست نے مجھے دعوت دی کہ اس کے چرچ میں عبادت کے طریقہ کار کو دیکھوں، یہ چرچ پروٹیسٹنٹ (Protestant) فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، میں دیکھ کر حیران ہوا کہ یہاں نہ صرف ان کے مذہبی پیشوا کے پاس بائبل ہے بلکہ ہر فرد اپنے ہاتھ میں بائبل اٹھائے ہوئے ہے، اور جو کچھ پیشوا صاحب پڑھتے ہیں، باقی افراد بھی اس صفحہ کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، مجھے اس سے بڑھ کر یہ تعجب ہوا کہ بائبل میں بار بار مذکور ہے کہ کسی قسم کے بت کی پوجا کرنا جائز نہیں ہے، اس تجربے نے میری آنکھیں کھول دیں، اور مجھے پہلی بار حقیقت سے آگاہی ہوئی جس نے میری زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، میں رومن کیتھولک چرچ کو چھوڑ کر پروٹیسٹنٹ چرچ میں شامل ہوگیا، گویا یہ روحانی طور پر نیا جنم تھا، اس لئے یہ فرقہ Born Again کہلاتا ہے، میری زندگی کے اس انقلاب کا مقصد یہ تھا کہ بائبل کی تعلیمات کے مطابق کسی بھی بت کی پوجا نہ کروں

اور بائبل کو خود پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کروں، میں اپنی فیملی میں پہلا پروٹیسٹنٹ تھا، میرے اہل خانہ نے بھی اس نئے چرچ کی تعلیمات سے استفادہ کرنا شروع کر دیا، اور سب کے سب نئے چرچ میں شامل ہوگئے، ہم سب اس چرچ کی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، خصوصاً میں تعلیم وتربیت کے ایک شعبہ سے منسلک ہوگیا، اس طرح سے مجھے بائبل پر پوری دسترس حاصل ہوگئی، یہاں تک کہ میں بھی ایک پیشوا یا پادری کے طور پر کام کرسکتا تھا، اسی وجہ سے چرچ کے ممبران میرا بہت احترام کرتے تھے۔

میرے ملک میں اسلام کا تصور

میں اسلام کے بارے میں بالکل کورا تھا، میرا خیال تھا کہ مسلمان ایک مذہب کا نام ہے مجھے پرائمری سے لیکر ہائی اسکول تک کسی مسلمان بچے سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، میرے خیال میں اگر کوئی مسلمان بچہ میری کلاس میں تھا تو وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ تھا اور اس لئے انفرادی طور پر پہچانا نہیں جاسکتا تھا، مجھے یاد ہے کہ کالج میں میرے چند اساتذہ مسلمان تھے، لیکن وہ بھی محض نام کے ہی مسلمان تھے، اور ان کے اور دوسرے لوگوں کے طرز معاشرت اور اطوار میں کوئی فرق نہ تھا۔

مجھے ذہنی طور پر مسلمانوں سے نفرت تھی کیونکہ ہمارے ملکی اخبارات اور ٹی وی ببانگِ دہل مسلمانوں کی مذمت کرتے تھے، اگر ایک مسلمان کوئی جرم کرتا تو تمام مسلمانوں کو ویسا ہی مجرم قرار دیا جاتا، مثلاً اس بات کا بار بار اعلان کیا جاتا کہ مسلمان دہشت گرد طبقہ ہے، ہمیں یہ نصیحت کی جاتی کہ ایک مسلمان کے سامنے سے نہ گزرو کیونکہ وہ تمہیں بلا دریغ قتل کر دے گا، اور یہ کہ کسی مسلمان سے لین دین مت کرو کیونکہ وہ بنیادی طور پر بہت بُرے لوگ ہیں۔

تاہم مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا کبھی بھی مسلمانوں کو بُرا بھلا نہ کہتے کیونکہ وہ عیسائی فرقوں کے اختلافات اور باہمی برتری اور رسہ کشی میں ہی مبتلا رہتے، اس طرح انہیں دیگر معاملات کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہ ملتا تھا۔

ملازمت

میں نے کالج میں کمپیوٹر سائنس میں بی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کرلی، اور انٹل فلپائینز Intel Philippines فرم میں نوکری شروع کردی، چند ماہ کے بعد میں نے ایک دوسری کمپنی میں تبادلہ کرالیا کیونکہ اس میں میرے لئے مزید تجربہ اور ترقی کے مواقع تھے اور میرے کالج کے کئی ساتھی بھی وہاں کام کرتے تھے، میں نے پانچ سال میں کئی نئی چیزیں سیکھ لیں اور چند دوستوں کے اشتراک سے ایک پرائیویٹ کمپنی قائم کرلی، لیکن یہ کمپنی زیادہ دیر نہ چل سکی کیونکہ بعض ساتھی اپنی ذمہ داری تندہی سے انجام نہ دیتے تھے، جب میں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو سب سے پہلے میں نے ہی اس اشتراک سے علیحدگی اختیار کرلی اور کسی دوسرے کام کی تلاش شروع کردی۔

بیرونِ ملک ملازمت کی تلاش

میرے ایک دوست نے یہ رائے دی کہ ہمیں چند سال سعودی عرب نوکری کرنی چاہئے، اس طرح ہم معقول سرمایہ جمع کرلیں گے اور پھر اپنے ملک واپس آکر ایک اچھا کاروبار شروع کر سکیں گے، چنانچہ ہم دونوں نے ایک ایجنسی سے رابطہ کیا، وہ پہلے سے ہی کمپیوٹر انجینئرز کی تلاش میں تھے، جو ایک سعودی بینک کو مطلوب تھے، اتفاق سے اس بینک کے منیجر صاحب بھی منیلا (Manila) میں موجود تھے، اس لئے جلد ہی ہمارا انٹرویو ہوگیا، اور ہمیں بینک منیجر نے کام کی پیشکش کردی، لیکن تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے ہم نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کردیا، ایجنسی مجھے بار بار فون کرتی رہی لیکن میں نے ایک نہ سنی، لیکن میرے دوست نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کا ساتھ دوں، اس لئے بالآخر محض دوست کا ساتھ دینے کے لئے میں نے بھی اس نوکری کی پیشکش قبول کرلی، اور ہم دونوں سعودی عرب پہنچ گئے۔

سعودی عرب میں ابتدائی تجربات

میں نہ صرف عربی زبان میں کورا تھا بلکہ مجھے اس سے نفرت بھی تھی، میں سمجھتا تھا کہ اس زبان کی بین الاقوامی طور پر کوئی اہمیت نہیں، اس لئے اسے سیکھنا اور سمجھنا غیر ضروری ہے، میں اور

میرے ساتھی سعودی عرب کے مشرقی حصے میں ایک بینک کے تمام کمپوٹرز اور دیگر ایسے ہی آلات کی اصلاح کرتے تھے، میرے ساتھ کام کرنے والے سب کے سب انجینئر انگریزی زبان سے خوب آشنا تھے اس لئے بھی ہمیں عربی بولنے اور سیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، اس پر طُرّہ یہ کہ ہمارے عربی مدیر کو بھی انگریزی پر کافی عبور حاصل تھا کیونکہ انہوں نے بیرون ملک تعلیم حاصل کی تھی، میں اور میرے فلپائنی ساتھی مل کر ایک کرائے کے مکان میں رہتے تھے، سعودی عرب میں طرز معاشرت بالکل مختلف تھا، کئی قسم کی پابندیاں تھیں جن کے ہم عادی نہ تھے اس لئے ہم کافی بے چینی اور ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے، چونکہ ہمارا مقصد سرمایہ جمع کرنا تھا، اس لئے اس گھٹن کے باوجود اپنا وقت گزار رہے تھے۔

کالے بادلوں میں سنہری کرن

ایک دن میں نے دمام (Dammam) شہر میں ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور اس سے پندرہ ریال کرایہ طے کیا، ڈرائیور صاحب نہایت صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھے اور ان کی خوب لمبی داڑھی بھی تھی، دیکھنے سے نہایت معقول آدمی معلوم ہوتے تھے انہوں نے یہ بھانپ کر کہ میں اکیلا اجنبی ہوں، سفر کے دوران مجھ سے زیادہ کرائے کا اصرار کرنے لگے، یہاں تک کہ سفر کے اختتام پر متفقہ کرایہ سے زیادہ کے لئے جھگڑا کیا، مجھے بہت غصہ آیا، میں نے ٹیکسی سے باہر چھلانگ لگائی، اور اس سے کہا کہ کیا تم پانچ وقت کی نماز نہیں پڑھتے؟ یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ مجھے صرف پندرہ ریال ہی دو، میں نے اسے پندرہ ریال دیئے اور وہ خاموشی سے روانہ ہوگیا، جب میں نے اس واقعہ پر غور وخوص کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ڈرائیور دل کا یقیناً اچھا آدمی تھا، یہ میرے لئے پہلا مثبت تجربہ تھا، اس کے بعد سے میں نے سمجھ لیا کہ یہاں کے باشندے بنیادی طور پر بہت اچھے لوگ ہیں۔

میرے ساتھ اسی طرح کا ایک اور مثبت واقعہ بھی پیش آیا، میں اور میرے ملک کے ساتھی ہمیشہ اپنے ملک کا کھانا پکاتے اور اسی کھانے پر اکتفا کرتے تھے، مجھے سعودی کھانا کھانے کی کبھی خواہش نہ ہوئی، ایک دن ہمارے انچارج نے ہمیں ایک پروجیکٹ کے لئے دور دراز ایک دیہاتی

علاقے میں بھیجا، دن بھر کے کام کے بعد ہمیں خوب بھوک لگی، وہاں فلپائنی کھانا میسر آنا ممکن نہ تھا، اس لئے مجبوری کے تحت میں نے پہلی بار کبسہ (Kabsa) کھایا، اور اسے نہایت لذیذ پایا، اس واقعہ کے بعد میں ہر اس جگہ کی تلاش میں رہتا جہاں کبسہ ملتا ہو اس طرح میرے طبیعت سعودی کھانوں کی طرف راغب ہوگئی، اور میں نے یہاں کے طرزِ معاشرت سے استفادہ کرنا شروع کر دیا۔

ایک عجیب وغیب مکالمہ

عبداللہ العمری صاحب اس بینک میں میرے انچارج تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی، لیکن انگریزی پر بھی ان کو عبور حاصل تھا کیونکہ انہوں نے بیرون ملک میں تعلیم حاصل کی تھی، وہ ہم سے انگریزی میں ہی بات چیت کرتے اور ہم سے خوب گھل مل کر رہتے، وہ کسی حد تک باتونی بھی تھے، ایک دن وہ مجھے ایک کہانی سنانے لگے اس کہانی کے دوران ان کے منہ سے لفظ جیسس (Jesus) نکلا، میں نے انہیں فوراً ٹوک دیا، اور جوش سے کہا: جیسس تو میرا ہے، آپ کون ہوتے ہیں جیسس کی بات کرنے والے۔

میں نے پہلی بار ایک مسلم کے منہ سے جیسس کا لفظ سنا، مجھے بہت حیرت ہوئی، میں دو سال سے سعودی عرب میں مقیم تھا لیکن کسی مسلمان نے مجھ سے مذہب کے بارے میں آج تک بات نہ کی تھی، مسلمانوں کے بارے میں میری سوچ بھی نرالی ہی تھی، میں سمجھتا تھا کہ مسلمان سورج کی پوجا کرتے ہیں، کیونکہ وہ سورج نکلنے ڈوبنے اور آسمان پر بلند ہونے کے اوقات میں عبادت کرتے ہیں، غالباً سورج ان کا دیوتا ہے

عبداللہ صاحب میری بات سن کر چند لمحے تو خاموش رہے، پھر انہوں نے بتدریج سب پیغمبروں کے ناموں کا تذکرہ کیا، مثلاً نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ وغیرہ، انہوں نے کہا یہ سب ہمارے بھی پیغمبر ہیں، چونکہ ان پیغمبروں کے نام بائبل میں مذکور ہیں، اس لئے میں ان سے خوب متعارف تھا۔ عبداللہ صاحب کے اس انکشاف کے بعد مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔

اسلام کے بارے میں چھان بین

اب میں نے اسلام کے بارے میں چھان بین کرنا شروع کر دی، تا کہ یہ جان سکوں کہ آخر عبداللہ صاحب کا مذہب کیا ہے؟ میں دمام میں جریر بک اسٹور میں گیا تا کہ اسلام کے بارے میں کتابیں خرید سکوں، جب میں نے کتابوں کی الماریوں پر نظر دوڑائی تو اس اسٹور میں مختلف مذاہب کے موازنہ سے متعلق کئی کتب موجود تھیں، ایک کتاب کا عنوان مجھے بہت عجیب لگا:

Jesus, not God, Son of Mary

میں نے یہ کتاب اور ایسی ہی چار اور کتابیں خرید لیں، اور بھاگا بھاگا گھر آیا تا کہ انہیں پڑھوں، ان کتابوں میں بائبل سے بہت اقتباسات Quotations تھے، میں نے جلدی جلدی اپنی بائبل نکالی تا کہ ان اقتباسات کی ایک ایک کر کے تصدیق کر سکوں، جب میں نے کتاب میں دی ہوئی پہلی کوٹیشن کو بائبل میں دیکھا تو وہ ہو بہو ویسی ہی تھی، مجھے حیرت ہوئی، لیکن میں نے سوچا کہ یہ مجھے جھانسا دینے کے لئے ایک فقرہ ہو بہو لکھ دیا گیا ہو گا، جلدی جلدی دوسری کوٹیشن کا موازنہ کیا تو وہ بھی ٹھیک نکلی، میں نے یہ خیال کیا کہ چند فقرے ٹھیک لکھ کر آئندہ صفحات میں کوئی نہ کوئی چکر بازی ضرور ہوگی، چونکہ مجھے بائبل پر پورا عبور تھا، اس لئے میں نے کتاب کی ہر ایک کوٹیشن کو آسانی سے چیک کر لیا اور میری توقع کے خلاف سب اقتباسات درست نکلے، اس سے میرا تجسس اور بڑھ گیا۔

اس دوران میں نے عبداللہ صاحب سے پوچھا کہ کیا اس شہر میں اسلام کی تبلیغ کا کوئی مرکز ہے؟ انہوں نے ایک کی نشان دہی کی جو کہ میرے گھر کے قریب ہی تھا میرے ملک کے زیادہ باشندے قریب کے شہر الخبر (Al-Khobar) میں مقیم ہیں، جب میں دوستوں سے اس شہر میں ملنے گیا تو دیکھا کہ الخبر میں بھی ایک اسلام کی تبلیغ کا مرکز ہے، میں اس مرکز میں داخل ہوا تو وہاں بھی ویسی ہی کئی کتب دیکھیں چونکہ میں پانچوں کتابوں کا مطالعہ کر چکا تھا میں نے اس مرکز سے چند اور کتابیں چن لیں، استقبالیہ پوچھا کہ ان کی قیمت کیا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ مفت ہیں، میں مفت چیزیں لینے کا عادی نہ تھا، میں نے قیمت ادا کرنا چاہی تو مجھے دوبارہ یہ جواب ملا کہ یہ سب

کتابیں بالکل مفت ہیں، آپ بلا جھجک لے جاسکتے ہیں، میں نے صاف کہہ دیا کہ قیمت ادا کئے بغیر کتابیں نہیں لوں گا، میرے اصرار پر انہوں نے مجھ سے تھوڑی سی قیمت وصول کرلی تاکہ میں کتابیں لے جاؤں، یہ سارا منظر ایک سعودی باشندہ دیکھ رہا تھا، وہ صاحب مجھے ایک طرف لے گئے اور وہ مجھ سے نہایت شفقت کے ساتھ پیش آئے، اور مجھ سے مختصر مگر معنیٰ خیز بات چیت کی، اس کے بعد میں نئی کتابیں بغل میں دبائے اپنی کار تک پہنچا اور نہایت سرعت سے گھر آیا، تاکہ ان کتابوں کا بھی جائزہ لوں، میرے مکان کے ہم نشین اور ہم وطن ساتھی میرے اس تذبذب اور کتابوں کے ذخیرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔

ایک دلچسپ ویڈیو

میں نے نئی کتب کا بھی مطالعہ کیا، اور ان میں ہر کوٹیشن کو اپنی بائبل کے مطابق پایا، لیکن اِن سب کچھ کے باوجود مجھے مسلمان بننے میں کافی ہچکچاہٹ تھی، میں اسلام کے تبلیغی سینٹر میں دوبارہ گیا، ایک صاحب نے میرا تذبذب بھانپ لیا، انہوں نے مجھے ایک ویڈیو دیکھنے کی دعوت دی، یہ ویڈیو احمد دیدات صاحب اور ایک عیسائی پادری کے درمیان مناظرے کی تھی، میں نے دل میں ٹھان لیا کہ میں یہ ویڈیو وسعتِ نظر سے دیکھوں گا اور کسی قسم کے تعصب کا شکار نہ ہوں گا، ویڈیو دیکھنے کے بعد میں ذاتی طور پر اس نتیجے پر پہنچا کہ عیسائی عالم اپنے مذہب کا ٹھیک طریقہ سے دفاع نہیں کرسکا اور اس مقابلہ میں ہار گیا ہے، میں نے سوچا کہ جب ایک پادری اپنے مذہب عیسائیت کا دفاع نہیں کرسکتا تو میرے جیسے پیروکار کی کیا حیثیت ہے، اس موقع پر پہلی بار میرا پیدائشی ایمان کمزور ہونا شروع ہوا اور عیسائیت سے طبیعت قدرے اکتانے لگی اور اندر ہی اندر ایک خلجان سا پیدا ہوگیا، لیکن اس کا حل سمجھ میں نہ آرہا تھا۔

قبول اسلام کی آزادی

ایک دن میں ایک فلپائنی دوست کے ساتھ ڈارٹ (Dart) کھیل رہا تھا، ہمارے ساتھ ایک مسلمان فلپائنی دوست بھی تھے، ان کا نام رضوان عبدالسلام تھا، میں نے کمرے کے ایک کونے میں لے جاکر ان سے اسلام کے بارے میں دریافت کیا جبکہ ہمارے دوسرے فلپائنی بھائی کھیل

میں ہمہ تن مشغول تھے، رضوان صاحب نے مجھے کوئی لمبا چوڑا لیکچر نہ دیا، بلکہ کھیل کے ختم ہونے پر وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور چند پمفلٹ دیئے، میں نے قرآن کا ترجمہ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی لیکن ترجمہ آسان زبان میں نہ تھا، اس لئے مجھے اس سے کچھ سمجھ نہ آیا، پمفلٹ ویسے ہی تھے جیسی میری کتب، مجھے یہاں یہ اعتراف کرنا ہے کہ رضوان صاحب نے مجھے اسلام قبول کرنے پر کبھی بھی مجبور نہ کیا اور نہ ہی میرے سعودی انچارج عبداللہ صاحب نے مجبور کیا، اسی طرح جب بھی میں اسلامی تبلیغی مرکز، الخبر میں گیا تو کسی صاحب نے بھی مجھ پر زور نہ ڈالا کے بغیر سوچے سمجھے اسلام میں کود جاؤں، بلکہ ہر ایک نے مجھے صرف ضروری معلومات فراہم کیں اور اسلام قبول کرنے کا معاملہ میری ذات پر چھوڑ دیا، اسی وجہ سے میں بار بار تبلیغی مرکز میں چلا جاتا، اگر کوئی مسلمان بھی مجھ پر دباؤ ڈالتا تو میں یقیناً ان سے دور بھاگ جاتا۔

مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میرے پہلے دو سال کے قیام کے دوران مجھ سے کسی نے بھی اسلام کے بارے میں بات نہیں چھیڑی، حالانکہ میں سعودی عرب جیسے اسلامی ملک میں مقیم تھا۔

میری ذہنی کیفیت

اس گہرے مطالعے اور چھان بین سے مجھے تین چیزیں واضح ہوگئیں:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں۔

۲۔ بائبل اصل شکل میں نہیں ہے، اس میں گڑ بڑ کی گئی ہے، کیونکہ اس میں اکثر متضاد باتیں ملتی ہیں، میرے مذہب کی بنیاد جس کتاب پر ہے، جب وہ کتاب ہی صحیح نہیں تو مذہب کیسے ٹھیک ہوسکتا ہے، اگر میں بائبل میں دیئے ہوئے متضاد خیالات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو معاملہ اور بھی پیچیدہ نظر آتا ہے، پس یہ مذہب تو ایک ایسا خام خیال ہے جسے بغیر چوں و چرا قبول کرو، بصورتِ دیگر اس مذہب سے خارج ہو جاؤ گے۔

۳۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ کوئی معبود قابل عبادت نہیں سوائے اللہ کے، ایک نہایت سادہ اور عام فہم فقرہ ہے، اس نے میرے دماغ سے سب دباؤ دور کر دیئے، میں نے محسوس کیا کہ میں اب ایک آزاد شخص ہوں، اور خواہ مخواہ کی ذہنی الجھنوں سے پاک ہوگیا ہوں، اس سکون کی وجہ سے میں

نے اس فقرے پر اور زیادہ غور وغوض کرنا شروع کر دیا، خاص طور پر میں دور دراز سفر کے دوران کیسٹ لگا کر کار میں سنتا تو اوپر والا فقرہ اور زیادہ دلنشین ہو جاتا، اب میرا ذہن مجھے آواز دے رہا تھا کہ تم حقیقت سے تو آشنا ہو گئے ہو، آگے بڑھو اور فیصلہ کرو، میرا اس حقیقت پر ایمان اور یقین اتنا بڑھ گیا کہ مجھے اب یہ فکر نہ رہی کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے دوست رشتہ دار کیا کہیں گے، بس اب میں اس دھن میں تھا کہ مسلمان کیسے بنوں، چنانچہ میں ایک دن بھاگا بھاگا الخبر کے تبلیغی سینٹر میں گیا، میں نے دیکھا کہ ہر کمرے میں مختلف زبانوں میں لیکچر ہو رہا ہے، میں فلپائنی گروپ کے ساتھ بیٹھ گیا، ہمارے ٹیچر کا نام فرید اوکینڈو (Fareed Oquendo) تھا، جونہی لیکچر ختم ہوا میں نے ان سے سوال کیا کہ اسلام قبول کرنے کا کیا طریقہ کار ہے؟ انہوں نے پوچھا کیا تم اسلام قبول کرنا چاہتے ہو؟ میں نے فوراً جواب دیا: جی ہاں، سب لوگ میرا منہ تکنے لگے اور دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ یہ شخص پہلی بار آیا ہے اور فوراً اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، مسٹر فرید نے مجھ سے پوچھا: کیا تم واقعی اسلام قبول کرنا چاہتے ہو، اور کیا تم نے اسلام کے بارے میں کچھ مطالعہ کیا ہے؟ میں نے دوبارہ جواب دیا: جی ہاں، مجھے اس لمحہ بھی یہ تعجب ہوا کہ مجھے کوئی شخص بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ مطالعہ کی تلقین کی جا رہی ہے۔

قبول اسلام کا مرحلہ

فرید صاحب نے مجھے بتایا کہ اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ نہایت آسان ہے، مجھے صرف یہ کہنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اس کے بعد فرید صاحب نے سینٹر کے سب لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا، اور مجھے بھی اپنے ساتھ وہاں لے گئے، راستے میں ایک سعودی صاحب ملے، جو مجھے کہنے لگے کہ تمہارا چہرہ تو مسلمانوں کا سا ہے، بہر حال اس پورے مجمع کے سامنے ایک اور سعودی باشندے نے مجھے پہلے عربی میں اور پھر انگریزی میں اوپر والا کلمہ پڑھایا، اس مختصر اور سادہ رسم کے بعد سینٹر کا ہر شخص باری باری میرے گلے ملا اور مجھے تہ دل سے مبارکباد دی، ساتھ ہی ساتھ وہ بار بار بلند آواز سے کہہ رہے تھے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بلند و برتر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت عطا فرماتے ہیں،

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

(سورۃ شوریٰ: ۱۳)

(اللہ اپنی طرف (اپنے قرب کے لئے) جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنی طرف سے ہدایت دیتا ہے)۔

جب ایچان صاحب مجھے یہ بیان کر رہے تھے تو ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ مجھے زندگی میں کبھی بھی ایسا خوشگوار واقعہ پیش نہ آیا تھا، یہ پیاری یادداشت میرا دل اچھال دیتی ہے، ایچان صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بے حد ممنون ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے عین موقع پر مجھے نہ شیطان ورغلا سکا، اور نہ ہی میرے دل میں میرے دوستوں اور رشتہ داروں کا خوف وہراس پیدا ہوا، گویا اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مجھ سے بالکل دور کر دیا، والحمد للہ علی ذلک

اسلامی نام

کلمۂ شہادت کے بعد سعودی بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے کونسا مسلم نام پسند ہے میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ میرا نام وہی ہوگا جو اس شخص کا تھا جس نے مجھ سے اسلام کے بارے میں پہلی بار اس سینٹر میں بات کی تھی، کیونکہ انہوں نے مجھ سے نہایت شائستہ، مدلل اور جامع بات کی تھی، میں ان صاحب کو پہچانتا نہ تھا، اس لئے میں نے استقبال پر کتابیں دینے والے صاحب سے استفسار کیا کہ آپ سے جب میں نے کتابیں خریدی تھیں اس کے بعد جن صاحب نے میرے ساتھ بات چیت کی تھی ان کا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ شیخ صالح تھے، یہ سنتے ہی میں نے کہا کہ میرا نام بھی صالح ہوگا۔

اس کے بعد مجھے یہ ہدایت دی گئی کہ گھر جا کر غسل کرو، نمازیں ادا کرو، اور دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں جس نے تجھے راہِ ہدایت سے روشناس فرمایا۔

میری پہلی نماز

میں نے گھر پہنچتے ہی غسل کیا اور خوب گہری نیند سویا، علی الصبح فجر کی نماز کے لئے مسجد گیا، میں نے مسجد میں داخل ہونے میں ہچکچاہٹ محسوس کی، کیونکہ میں طریقۂ نماز سے متعارف نہ تھا، اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کروں؟ تھوڑی دیر میں ایک سوڈانی بھائی کا ادھر سے گزر ہوا، اس نے میری ہچکچاہٹ کو پہچان لیا، اور وہ صاحب کہنے لگے کہ کیوں رکے ہوئے ہو اندر آجاؤ، میں نے انہیں بتایا کہ میں نے کل رات ہی اسلام قبول کیا ہے اور میں فی الحال نماز پڑھنے کے طریقہ سے بے بہرہ ہوں، سوڈانی نے کہا: مسجد میں آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں، انہوں نے سب سے پہلے مجھے استنجا کرنے کا طریقہ بتایا، پھر وضو کا طریقہ بتایا، اور انہوں نے کہا کہ نماز میں محض ہماری اتباع کرو اور آخر میں دعا کرو۔

جب میں نے پہلا سجدہ کیا تو مجھے بے حد سکون ملا جو کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اپنے فضل وکرم سے میرے پہلے سجدہ کی سی کیفیت پھر پیدا کردے، علاوہ ازیں مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی احسان رہا کہ میں نے پہلے دن سے اب تک کوئی نماز ترک نہیں کی۔ الحمد للہ۔

اسلامی تعلیم کا جذبہ

میں نے باقاعدگی سے ہر شام تبلیغی مرکز جانا شروع کردیا، اور کئی گھنٹے تعلیم حاصل کرتا، میں نے نہ صرف عربی حروف تہجی سیکھے بلکہ عربی لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیا، اب مجھے عربی زبان سے خوب شغف ہوگیا، بتدریج میں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کردیا، میری زندگی کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ میں قرآن پاک کو صحیح قرأت کے ساتھ پڑھ سکوں۔

اس سینٹر میں ہمارے ٹیچر احمد ریکالڈی (Ahmad Ricaldi) تھے، جو کہ فلپائنی نومسلم تھے، ان کے لیکچر بہت دلچسپ اور بے حد مفید تھے، مجھے اس تعلیم وتربیت سے اتنی محبت ہوئی کہ میں اسے کسی طرح بھی منقطع نہ کرنا چاہتا تھا، اب میری سالانہ چھٹی کا وقت آگیا تاکہ مادرِ وطن اور والدین سے مل سکوں، لیکن میں نے چھٹی کو ملتوی کروالیا تاکہ تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہ سکے۔

اس تعلیم کے دوران مجھے یہ بتایا گیا کہ سود حرام ہے اس لئے میں جلد از جلد بینک کی نوکری سے استعفیٰ دینا چاہتا تھا، اسی طرح مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ہر وہ کھانا حرام ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام کی دعا کی جائے، میں دل وجان سے ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہتا تھا، پس میری زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوچکی تھی ،لیکن میرے گھر اور کام کے ساتھیوں اور افسروں کو اس کی خبر نہ تھی۔

ایک دلچسپ حادثہ

ایک دن ہمارے انچارج عبداللہ صاحب نے ہمیں ایک پروجیکٹ کے لئے ایک دور دراز علاقے میں جانے کا حکم صادر کیا، ہمارا معمول تھا کہ ہم سب گھر جا کر اکٹھے کھانا کھاتے اور پھر پروجیکٹ پر روانہ ہو جاتے، میں ان ساتھیوں سے سرک گیا اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز ادا کرنا چاہتا تھا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب میں وضو کر کے نیچے آ رہا تھا تو سیڑھیوں پر عبداللہ صاحب سے آمنا سامنا ہوگیا، میرا چہرہ اور ہاتھ ابھی گیلے ہی تھے، وہ حیرت سے پوچھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا کہ وضو کیا ہے، نماز پڑھنے جا رہا ہوں، انہوں نے کہا: کیا تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، وہ بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ نماز ادا کرنے کے بعد تم پروجیکٹ پر نہ جانا بلکہ تم میرے دفتر میں حاضر ہونا، اس دوران انہوں نے اپنے گھر فون کیا اور اہل خانہ کو خوشخبری سنائی، نماز ادا کرنے کے بعد جونہی میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے، اور بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا، میں ان کے اس اسلامی جذبہ اور اخلاص سے ایسے محسوس کر رہا تھا گویا میں بھی اسی فیملی کا فرد ہوں۔

دوستوں کا ردِ عمل

میں پانچ فلپائنی ساتھیوں کے ساتھ ایک گھر میں مقیم تھا، ہر کمرے میں دو دو فرد تھے، میرے کمرے میں میرا اسکول اور کالج کا پرانا ساتھی تھا، اس کی دوستی نبھانے کے لئے ہی میں یہاں سعودی عرب آیا تھا، ہم سب کھانا اکٹھا پکاتے اور مل کر ہی کھاتے، اور مل کر ہی بازار اور کھیل کے میدان میں جاتے، اس سلسلہ میں دو واقعات قابل ذکر ہیں:

میرے ساتھیوں نے نئے سال کی تقریب کے لئے پر تکلف کھانا تیار کیا اور مجھے بھی دعوت دی، میں نے جواباً کہا کہ میں اس دعوت میں اس شرط پر شریک ہونگا کہ تم کھانے کے دوران کسی قسم کی دعا نہیں کرو گے، سب متفق ہو گئے، جب کھانے کا وقت آیا تو انہوں نے حسبِ معمول عیسائیوں کی طرح دعا کی، میں چپ چاپ کھانے کی میز سے اٹھ کر چل دیا، کیونکہ انہوں نے وعدہ خلافی کی تھی۔

ایک اور ایسا ہی واقعہ پیش آیا: ہم سب مل کر دوپہر کا کھانا کھاتے تھے، میں ہر روز ان سے سرک جاتا اور علیحدگی میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد کھانے میں شریک ہوتا، اس طرح مجھے قدرے دیر ہو جاتی، ایک دن مجھے خاصی تاخیر ہوگئی اور یہ سب کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، صرف میرے کمرے والا ساتھی موجود تھا، اس نے مذاقاً مجھ سے پوچھا: کیا تم نماز ادا کر رہے تھے؟ میں نے اسے کہا کہ تم نے آج میری بات کو کھول دیا ہے، میں نماز ہی تو ادا کر رہا تھا، اس نے کہا کیا تم مذاق کر رہے ہو؟ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں، اس نے یہ خبر دوسرے ساتھیوں تک بھی پہنچا دی، اس طرح سے ہماری دوستی کو فوراً ٹھیس لگ گئی۔

اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش

ایک دن سب فلپائنی ساتھی میرے کمرے میں جمع ہو گئے، اور مجھے غدار اور اسی قسم کے الفاظ سے منسوب کیا، پھر مجھ سے کئی سوال پوچھنے لگے، مثلاً اسلام کیا ہے اور تمہیں کیوں اچھا لگا؟ میں ان کے ہر سوال کا مدلل جواب اپنی کتابوں کے حوالوں سے دیتا، اور ایک ایک صفحہ کھول کر ان کے سامنے رکھتا، میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کے بارے میں دوسروں سے بحث مباحثہ کر رہا تھا، ان کی پوری کوشش تھی کہ میں دوبارہ عیسائی ہو جاؤں، میں ان سے خندہ پیشانی اور تحمل سے پیش آیا، ان کے پاس میرے دلائل کا کوئی توڑ نہ تھا، بلآخر انہوں نے اپنی بائبل بند کر دی اور ایک ساتھی نے کہا: تم کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟ میں نے کہا: یہ حقیقت ہے کہ اسلام سچّا دین ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے

ایک پیغمبر ہیں، اس پر انہیں بہت مایوسی ہوئی اور وہ اٹھ کر چلے گئے، اس کے بعد اس سلسلہ میں ہماری کبھی بھی بات چیت نہ ہوئی، وہ ہر وقت اکٹھے رہتے، جب کہ میں بالکل تنہا رہ گیا۔

اس اکیلے پن میں مجھے ساتھی کی ضرورت محسوس ہوئی، میں نے رضوان صاحب کی تلاش شروع کردی کیونکہ وہ نقل مکانی کرچکے تھے، کچھ کوشش کے بعد مجھے ان کا نیا گھر مل گیا، میں ان کے گھر گیا وہ حج ادا کرنے کے بعد گھر پہنچے ہی تھے، میں نے انہیں السلام علیکم کہا، وہ تعجب کرنے لگے، میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اور میں نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ ہم دونوں ایک کمرہ میں رہائش اختیار کریں، تاکہ ہم اسلامی طورطریقے پر زندگی بسر کرسکیں، رضوان صاحب کو یہ رائے بہت پسند آئی اور ہم دونوں نے جلد ہی ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا اور خوشی خوشی وہاں رہنے لگے، ہم دونوں نہ صرف جگری دوست تھے بلکہ دینی بھائی بھی تھے، ہم ہر روز اکٹھے ہی تعلیم کے لئے مقامی تبلیغی مرکز جاتے اور ہر طرح سے ایک دوسرے سے تعاون کرتے۔

اللہ کی مزید رحمت

مقامی تبلیغی مرکز میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے ایک مصری ٹیچر تھے، ان کا نام محمد تھا، ان کی قرآن پاک کی قرأت بہت دلکش تھی، وہ مرکز میں اعزازی طور پر خدمت انجام دے رہے تھے، دن بھر ایک ادارہ میں بطور خادم کام کرتے تھے جس سے اپنی دال روٹی چلاتے تھے، ایک دن میں اور رضوان صاحب ان کے گھر ملنے گئے، وہ ایک تنگ وتاریک کمرہ میں مقیم تھے، ہر طرف سے بدحالی آشکارا تھی، البتہ ان کی ایک الماری میں قرآن پاک کی کئی کیسٹ جمع تھیں، ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ ہمارے ساتھ ہمارے کمرہ میں منتقل ہوجائیں، نہ انہیں کرایہ ادا کرنا ہوگا اور نہ ہی بجلی کا بل، ہاں ایک شرط ہے وہ یہ کہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں گے، جناب محمد صاحب نے بخوشی ہماری یہ تجویز منظور کرلی، اب اللہ کی مہربانی سے وہ ہر روز فجر کی نماز کے بعد ہمیں قرآن پڑھاتے، اس طرح اللہ کی رحمت ہم پر دن بدن بڑھتی گئی۔

میرے ذاتی مشاغل

مجھے بچپن سے ہی گیتار (Gitar) اور پیانو بجانے کا شوق تھا، ان کے ساتھ خوب لے سے

گاتا بھی تھا، اسی وجہ سے میں گیتار اور منہ کا باجا اپنے ساتھ سعودی عرب لایا تھا، چونکہ میں موسیقی کا دلدادہ تھا اس لئے میرے پاس موسیقی کی اعلیٰ قسم کی کیسٹ کا ذخیرہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے گیتار اور کیسٹ معمولی داموں فروخت کر کے ان سے نجات حاصل کی، ایک شخص نے منہ کے باجے کی طرف اشارہ کر کے اس کی قیمت پوچھی تو میں نے وہ اسے مفت دے دیا۔

علاوہ ازیں میں سگریٹ پینے کا بھی عادی تھا، ایک کے بعد ایک جلاتا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے یک دم سگریٹ پینا بھی چھوڑ دیا، ایک دن کام پر ایک شخص کو سگریٹ پیتے دیکھ کر میری زبان میں لہر سی پیدا ہوئی، لیکن میں نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے آج تک سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

قبول اسلام کے بعد والدین سے پہلی ملاقات

میں اپنی سالانہ چھٹیوں پر فلپائن جانے کی تیاری کر رہا تھا، رضوان صاحب نے مجھے بتایا کہ اس کی اہلیہ صاحبہ اور دو بچیاں بھی فضلِ خدا مسلمان ہو چکی ہیں اور وہ منیلا میں مقیم ہیں اور انہوں نے مجھ سے یہ استدعا کی کہ میں ان کے گھر جا کر اہل خانہ سے ملوں اور حسبِ توفیق ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کروں۔

چند دنوں بعد میں منیلا پہنچ گیا، میرے والدین میرے استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر موجود تھے، ہمارے عیسائی پیشوا نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ جب والدین سے ملو تو ان کے احترام کے طور پر باری باری انکا ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھو جب میں والدین سے ایئرپورٹ پر ملا تو میں نے ایسا نہ کیا، بلکہ باری باری ان کا ماتھا چوما، دونوں قدرے حیران ہوئے، بہرحال ہم خوشی خوشی گھر پہنچ گئے۔

میرے والد صاحب نے زیادہ تر ملازمت فوج میں کی تھی، اس کا اثر ان پر ابھی تک باقی ہے، ان کا چہرہ اکثر سنجیدہ ہی رہتا ہے اور بات بھی کم کرتے ہیں، اس کے برعکس میری امی جان کالج سے فارغ ہونے کے بعد بطور ٹیچر کام کر رہی ہیں، ان سے ہر عنوان پر بات کرنا آسان ہے، میں نے امی جان سے کہا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور مجھے سور کا گوشت کھانے کی

اجازت نہیں ہے، اس پر میرے والدین چونک پڑے اور کہنے لگے کہ ہم نے خاص طور پر تمہاری خاطر سور کی پسلیوں کا اہتمام کیا ہے، سور کی بھنی ہوئی پسلیاں ہمارے ملک میں ایک بہت بڑی ضیافت سمجھی جاتی ہے، میں نے نہ صرف اس پر تکلف ضیافت کو ٹھکرا دیا، بلکہ انہیں عرض کیا کہ میں سور کے اجزا سے بنی ہوئی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، میرے والدین نے میری درخواست مانتے ہوئے میرے لئے حلال خوراک کا انتظام کیا۔

میں رضوان صاحب کے گھر بھی گیا اور حتی المقدور ان کے اہل خانہ کو اسلام کی تعلیم دی، چھٹیوں کے بعد سعودی عرب واپس پہنچ کر میں نے رضوان صاحب کو یہ رائے دی کہ وہ اپنی فیملی کو اسلامی سینٹر کے قرب وجوار منتقل کریں تاکہ ان کے لئے نہ صرف اسلامی تعلیم کا حصول آسان ہو جائے بلکہ وہ اسلامی ماحول میں اس پر عمل پیرا بھی ہوسکیں، رضوان صاحب نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے فوراً مسجد کے قریب ہی ایک مکان کرائے پر لے لیا، اس طرح ان کی اہلیہ صاحبہ اور بچیاں ہر روز اسلامی تعلیم حاصل کرتیں، یہ ان کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب تھا۔

والدین کو اسلام کی دعوت

منیلا میں قیام کے دوران میں نے والدین اور رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دی، مجھے اسلامی دعوت دینے کا تجربہ نہ تھا، میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے پرزور اصرار کیا اور میں چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد سچائی کو پہچانیں، اس لئے میرا ان سے ایک جھگڑا سا رہتا، اور گھر کے ماحول میں کشیدگی رہتی، میں چاہتا تھا کہ میری دعوت کے اثرات جلد از جلد ظاہر ہوں، لیکن کئی سالوں کے بعد مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ میرا دعوت کا اسلوب صحیح نہ تھا، اور اب مجھے افسوس بھی ہوتا ہے کہ اپنی ناتجربہ کاری کے باعث میں نے انہیں مشقت میں ڈالا، علاوہ ازیں اصل ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ داعی کے ہاتھ میں پس داعی کو پراگندہ خاطر اور ناراض نہیں ہونا چاہئے، بلکہ محبت وشفقت سے پیش آنا چاہئے۔

فلپائن کے لئے میرا دوسرا سفر

اس بار میں اور رضوان صاحب اکٹھے ہی فلپائن گئے، مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ

رضوان صاحب کی فیملی اسلامی تعلیم وتربیت سے مزین ہوچکی تھی، اور ان کی بیوی اور بچیاں اسلامی حجاب کا اہتمام کرتی تھیں، ہمارے منیلا کے قیام کے دوران رضوان صاحب نے مجھے دعوت دی کہ میں ان کی بڑی بیٹی کو رفیقۂ حیات بنالوں میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ عنقریب جواب دوں گا۔

ان دنوں میرے گھر کا ماحول بہت پراگندہ تھا، میں گھریلو الجھنوں کے باعث بروقت رضوان صاحب کے گھر نہ پہنچ سکا، اس دوران وہ سعودی عرب کے لئے روانہ ہوگئے، چھٹیاں ختم ہونے کے بعد میں بھی سعودی عرب پہنچا، میں نے مدینہ منورہ سے رضوان صاحب کو بذریعہ فون اپنی گھریلو مشکلات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی انہیں یہ اطلاع بھی دی کہ میں ان کی بیٹی سے شادی کرنے کے لئے رضامند ہوں، لیکن تھوڑی سی مہلت چاہئے۔

عیسائی پادری سے مکالمہ

میرے منیلا میں قیام کے دوران میری والدہ صاحبہ نے بہت کوشش کی کہ میں دوبارہ عیسائی مذہب اختیار کرلوں انہوں نے ایک پادری کو گھر بلایا، جس نے میرے ساتھ کافی دیر مکالمہ کیا، لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

میری والدہ صاحبہ نے ایک اور پادری کو گھر بلایا اور خود بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئیں تاکہ ہماری باہمی بات چیت کوسن کر بحث کا تجزیہ کرسکیں، میرے والد صاحب پودوں کو پانی دینے کے بہانے ہم سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوگئے جبکہ ان کے کان بھی ہماری طرف ہی لگے ہوئے تھے، میں نے پادری کے ہر سوال کا جواب اپنی کتابیں کھول کھول کر دیا، اس مذہبی پیشوا کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہ تھی، آخر میں ہمارے گھر سے جاتے ہوئے کہنے لگے کہ میں اپنے سے بڑے پادری کے ہمراہ دوبارہ جلد حاضر ہوں گا، میں نے انہیں جواباً عرض کیا کہ مجھے اس کا بہت بے تابی سے انتظار رہے گا لیکن میرے منیلا قیام کے دوران وہ کبھی واپس نہ آئے۔

پادری کے جانے کے بعد میرے والد صاحب ہمارے قریب آئے اور میری والدہ سے کہنے لگے: تمہارے بیٹے کا علم تمہارے پادری سے زیادہ ہے، میں نے زیادہ بات نہ کی تاکہ

والدہ صاحبہ کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان مفید علم سے دوسروں پر حاوی ہوسکتا ہے، اور اسی وجہ سے اسلام نے نافع علم کی بے حد تلقین کی ہے۔

میری زندگی کا اہم ترین مقصد

مجھے رشتہ کی پیشکش ہو چکی تھی، لیکن میں شادی سے پہلے بینک کی نوکری کو چھوڑنا چاہتا تھا، میں نے سعودی عرب میں کئی علماء سے رائے لی، سب نے بہت اچھی تلقین کی، ان کا کہنا تھا کہ اس نوکری سے چھٹکارے کی مخلصانہ نیت کرلو، اور دوسرا کام ملنے تک نوکری نہ چھوڑو، اگر تم نے نوکری فوراً چھوڑ دی تو تمہیں اپنے ملک جانا پڑے گا۔

میں عرب نیوز میں ہر روز ملازمت کے اشتہار دیکھتا، ایک جگہ فیکس آپریٹر (Fax Operator) کی ضرورت تھی میں نے بھی انٹرویو دیا، وہ پوچھنے لگے کہ تم اچھے کام کو چھوڑ کر معمولی تنخواہ پر کیوں کام کرنا چاہتے ہو؟ میں نے جواباً کہا کہ ایک ذاتی وجہ ہے، انہوں نے کہا کہ تمہاری تعلیم اور لیاقت اس کام سے کہیں بالا و برتر ہے اس لئے ہم تمہیں یہ کام نہیں دے سکتے۔

ایک اور کمپنی کو کمپیوٹر انجینئر درکار تھے، اس کے لئے بھی تنخواہ میری موجودہ تنخواہ سے کم تھی، جب میں انٹرویو کے لئے گیا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میں ان سے زیادہ تنخواہ کا مطالبہ نہ کروں گا، مجھے اپنے کام میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے، اس فرم نے مجھے قبول کرلیا اور میں اس نئی کمپنی سے منسلک ہوگیا، اس میں اللہ کی ایسی حکمت مخفی تھی کہ مجھے دمام شہر کے بجائے مدینہ منورہ میں کام مل گیا اور ایک نہایت مقدس اور پُرسکون شہر میں زندگی گزارنے کا موقع مل گیا۔ الحمدللہ

شادی خانہ آبادی

اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا تھا، فحش موسیقی سے نجات حاصل کر لی تھی، بینک کی نوکری بھی بدل لی تھی، اور میں اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کی کوشش کررہا تھا، پس اب شادی کی باری تھی، اگلے سال میں اور رضوان صاحب دوبارہ اکٹھے فلپائن گئے اور میری شادی کا پروگرام بن گیا، میں نے والدین اور دیگر رشتہ داروں پر واضح کر دیا

کہ میری شادی اسلامی طریقہ سے ہوگی، وہ میری شادی میں شمولیت کے لئے رضامند ہوگئے۔

اسلامی شادی کا طریقہ بہت سادہ اور نکاح میں تقریباً پانچ منٹ لگتے ہیں، نکاح کے بعد میں نے والدین اور رشتہ داروں سے کہا کہ میری شادی کی ضروری رسم مکمل ہوگئی ہے، اس پر میری دادی صاحبہ نے زور زور سے کہنا شروع کیا کہ میں نے تو ابھی دولہا اور دلہن کو اکٹھا نہیں دیکھا، جیسا کہ عیسائیوں کی شادی میں رواج ہے میری والدہ نے انہیں یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ یہ اسلامی طریقہ کی شادی ہے۔

اب میرے والدین مجھ سے کافی تعاون کرنے لگے، مثلاً میں رمضان کے مہینہ کے چند دن بھی منیلا میں مقیم تھا تو میری والدہ صاحبہ میرے روزہ کھولنے کے لئے حلال کھانے کا بروقت اہتمام کرتیں۔

چھٹیوں کے بعد میں مدینہ منورہ آگیا اور کچھ عرصہ بعد میری اہلیہ بھی مدینہ منورہ آگئیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو بیٹیاں عطا کی ہیں، ہم نے ان کا نام صفا اور مروہ رکھا ہے۔

ان دنوں حسبِ معمول بطورِ انجینئر ڈیوٹی دے رہا ہوں جو کہ بہت محنت طلب اور ذمہ داری کا کام ہے، علاوہ ازیں ہفتہ میں ایک روز اعزازی طور پر مدینہ منورہ کے تبلیغی مرکز میں نئے مسلمانوں کی حتی المقدور مدد کررہا ہوں، تاکہ ان کا ایمان مزید پختہ ہوتا جائے، اور یہ کہ وہ میری کہانی سے مستفید ہوسکیں۔

میرے یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کے چند طلبا کو کمپیوٹر کے استعمال سے روشناس کروں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس معمولی کوشش کو قبول فرما کر مجھے اور میرے فیملی کو آخرت میں کامیاب وکامران کریں۔ آمین

مجھے نئے مسلمانوں، اور غیر مسلموں سے اسلام کے بارے میں انگریزی اور فلپائنی زبانوں میں تبادلۂ خیال کا بہت شوق ہے۔

میری ای میل کا پتہ یہ ہے: saleh_echon@hotmail.com

ڈان فلڈ (Don Flood)

ایک امریکی پروفیسر

ہر سوسائٹی میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں اور کچھ خامیاں بھی، امریکی سوسائٹی کا طرۂ امتیاز یہ رہا ہے کہ ہر فرد اپنی مرضی سے اپنا راہِ عمل اختیار کرسکتا ہے یہاں تک کہ گھریلو زندگی میں بھی اکثر والدین بچوں کی مرضی اور طرزِ حیات میں زیادہ مخل نہیں ہوتے، بلکہ اکثر بچے مذہبی اور ذاتی امور عین اپنی مرضی سے طے کرسکتے ہیں، علاوہ ازیں گھریلو زندگی میں متضاد نظریات کے باوجود والدین اور بچے ایک دوسرے سے رواداری سے پیش آتے ہیں۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ سے قبل تک امریکی سوسائٹی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ہمارے دوست ڈان اس سوسائٹی کی پیداوار ہیں، انہوں نے مجھے اپنی سرگزشت یوں بیان کی:

نئی تہذیب کی جھلکیاں

میں امریکہ کے شہر ٹرینٹن، نیوجرسی، (Trenton, New Jersy) میں پیدا ہوا، میرے والد صاحب ایک انجینئر تھے، چونکہ امریکی سوسائٹی میں نقل وحرکت بہت زیادہ ہے، ان کا تقرر مختلف شہروں اور ملکوں میں ہوتا رہا، مثلاً میں نے ابتدائی تعلیم ریاست انڈیانا (Indiana) میں شروع کی لیکن ہائی اسکول کے دوران مجھے والد صاحب کے ساتھ ایک دوسرے ملک برازیل (Brazil) جانا پڑا میں والدین کے ہمراہ برازیل میں چھ ماہ رہا، مجھے وہاں ایک بالکل نئی اور انوکھی تہذیب نظر آئی، وہاں کی زبان بھی مختلف تھی، مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ امریکی طرزِ حیات کے علاوہ زندگی بسر کرنے کے اور بھی طریقے ہیں، اس سے میرے دل ودماغ میں وسعت پیدا ہوئی، میں اس نئی زبان اور تہذیب کی مٹھاس سے سرشار ہونا چاہتا تھا، اس لئے میں نے پرتگالی

(Portuguese) اور ہسپانوی (Spanish) زبانیں سیکھ لیں، اس وقت میں پرتگالی زبان تو بھول چکا ہوں البتہ ہسپانوی زبان سے ابھی بھی کام چلا لیتا ہوں۔

جب میں والدین کے ہمراہ واپس امریکہ آیا تو میں نے باقی ماندہ ہائی اسکول کی تعلیم انڈیانا ریاست میں ہی مکمل کی، اس کے بعد میں نے ٹیکساس کی یونیورسٹی (University to Texas) میں بزنس ایڈمنسٹریشن (Business Administartion) میں داخلہ لے لیا، تاکہ مستقبل میں ایک اچھی نوکری حاصل کرسکوں۔

میرے رجحان میں تبدیلی

ایک دن میں اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا لاطینی امریکہ (Latin America) کی تہذیب کے بارے میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا، اس کے مطالعہ سے مجھے محسوس ہوا کہ بزنس ایڈمنسٹریشن بہت خشک مضمون ہے، اور لاطینی امریکہ کی تہذیب بہت دلچسپ ہے، اس لئے میں کالج گیا اور بزنس ایڈمنسٹریشن کو خیرباد کہہ کر لاطینی امریکہ سے متعلق مضامین چن لئے، جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ میرے والدین میرے ذاتی معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرتے تھے، اب میں نے پبلک لائبریری سے کئی اور تہذیبوں مثلاً بدھ مت اور ہندو تہذیب سے متعلقہ کتابیں بھی حاصل کیں تاکہ دنیا کے مختلف حلقوں میں بسنے والے انسانوں کی سوچ اور طرز معاشرت سے مستفید ہوسکوں۔

ایک عجیب واقعہ

کالج میں میرا ایک ہندو دوست تھا، اس نے مجھے بتایا کہ آج شام ایک چرچ میں گھریلو پکا ہوا کھانا ہے، اگر میں اس کے ہمراہ اس دعوت پر جاؤں تو وہ میرا تعارف اپنے سعودی دوست سے کروائے گا، بطور طالبعلم ہم کسی گھریلو کھانے کی دعوت کو نظر انداز نہیں کرتے، پس ہم اس چرچ گئے، اور وہاں ایک سعودی طالبعلم سے میرا تعارف کرایا گیا، کھانا بہت لذیذ تھا اور ہم نے خوب دل بھر کر کھایا، کھانے کے اختتام پر ایک پادری صاحب کھڑے ہوئے اور بورڈ پر لکھی ہوئی عبارت کو گا گا کر پڑھنے لگے، ہمیں بھی اپنے ساتھ ساتھ دہرانے کو کہا، اس پر ہمارا سعودی

دوست ابوحسین پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور ہمیں اس مجلس کو خیر باد کہنے کا اشارہ کیا، ہماری میزبان لڑکی نے کافی کوشش کی کہ ہم رک جائیں لیکن ابوحسین نے دوٹوک کہا: ہمارا اس مجلس سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، پس ہم چرچ سے باہر آ گئے، اس واقعہ نے ہمیں قریب تر کر دیا یہاں تک کہ ہم نے باہمی طے کیا کہ ہم سب ایک مکان کرایہ پر لیں گے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کریں گے، چند دنوں بعد ایک ایرانی طالب علم بھی ہمارے ساتھ اس مکان میں رہنے لگا۔

اس طرح سے مجھے کئی تہذیبوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مجھے دوسرے ملکوں کے کھانے بہت پسند تھے، میں نے ان دوستوں سے کھانے پکانے سیکھے، اور انگلیاں چاٹ چاٹ کر کھاتا، یہاں رہائش کے دوران کئی انوکھی چیزیں میری نظر سے گزریں، مثلاً میرے ساتھی کھانا ہاتھ سے کھاتے نہ کہ چمچ سے، وہ کھانا کھانے کے لئے زمین پر بیٹھنا پسند کرتے، کھانے کی میز اور کرسیوں پر انہوں نے کبھی بھی کھانا تناول نہ کیا، علاوہ ازیں مجھے یہ سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ غسل خانہ جاتے ہوئے پانی سے بھرا برتن کیوں ساتھ لے کر جاتے ہیں؟ بہت بعد میں سمجھ آئی کہ یہ سب اسلامی طریقے ہیں۔

میرا مذہب

میں اور میرے والدین عیسائی مذہب کے پروٹیسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے تھے میں محض والدین کے احترام کے طور پر ان کے ساتھ چرچ جاتا تھا، میرا خیال تھا کہ چرچ سماجی سرگرمیوں کے لئے ہے، مذہب میں سب سے اہم چیز اخلاق کیریکٹر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں میرے خیالات بہت الجھے ہوئے تھے اور میں کسی سے بحث مباحثہ کی جرأت بھی نہ کرتا تھا، میرے والدین نے مجھے مذہب کی تعلیمات پر زیادہ کاربند ہونے کے لئے کبھی مجبور نہ کیا، بلکہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

میں یہاں یہ اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عیسائی مذہب کے بارے میں میری لاعلمی اور کم علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ میرا ذہن دیگر مذاہب کے لئے متعصب نہ بن سکا، اور میں وسعتِ قلبی سے نئے نئے تجربات کا تجزیہ کرتا رہا۔

دلکش قدرتی مناظر

میں اب تک اپنی زندگی کے اہم ترین مقصد اور مستقبل میں کام کاج کے بارے میں کچھ طے نہ کر پایا اس لئے میں ایک دوست کے ہمراہ امریکہ اور کینیڈا کی سیر و سیاحت کو نکلا، تا کہ زندگی کی دوڑ دھوپ سے کنارہ کش ہو کر اپنے مستقبل کے بارے میں غور وفکر کر سکوں، امریکہ کے وسیع پارک ہر جگہ موجود ہیں، ہم نے ہوٹلوں کی بجائے انہیں پارکوں میں قیام کیا، میں جہاں بھی جاتا دلکش قدرتی مناظر دل موہ لیتے، میں نے سوچا کہ یہ رنگ دار پھول، بلند وبالا درخت اور وسیع وعریض نباتات خود بخود معرض وجود میں نہیں آسکتے، یقیناً ان کا کوئی خالق ہے، میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ خدا ایک ہے، لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہ آتا کہ اس خالق کی کیسے عبادت کروں اور اس کی کیسے حمد بیان کروں؟

کالج میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد میرے سب ساتھی اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہو گئے، میں نے ابوحسین سے رابطہ قائم رکھا، اس نے مجھے دو ہفتوں کے لئے سعودی عرب آنے کی دعوت دی، میں نے اس سفر کی تیاری شروع کر دی، مجھے پیرس اور قاہرہ سے ہوتے ہوئے سعودی عرب پہنچنا تھا۔

سعودی عرب پہنچنے پر میرا استقبال بہت گرم جوشی سے کیا گیا، میں نے زیادہ تر وقت ریاض شہر کے قریب ایک گاؤں میں گزارا، یہاں مجھے آسمان تلے کھلے میدان میں سونے کا موقع ملا، یہاں کا طرز معاشرت بالکل مختلف تھا، ابوحسین نے چند بکرے ذبح کئے اور پورے گاؤں کے لوگوں کو دعوت دی، مجھے ایسی عزت افزائی زندگی بھر دیکھنی نصیب نہ ہوئی تھی، ہماری ایک دوسرے سے محبت بڑھ گئی، ایک دن ابوحسین نے اونٹی کا دودھ میرے سامنے دوہا اور یہ تازہ دودھ مجھے پینے کو پیش کیا، جب میں اس دودھ سے لطف اندوز ہو رہا تھا، ابوحسین کے والد صاحب نے مجھ سے کہا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تجھے دس اونٹ بطور تحفہ دوں گا، میں نے انہیں برجستہ جواب دیا کہ اگر آپ عیسائی بن جائیں تو میں آپ کو دس اونٹ بطورِ تحفہ پیش کروں گا، ایسے ہی نوک جھوک چلتی رہی، بہر حال میں واپس امریکہ آ گیا تا کہ اپنی ملازمت کے فرائض کو سرانجام

دے سکوں۔

میری پہلی نوکری

میں نے کالج سے گریجویشن کے بعد بطورِ ٹیچر کام کرنا شروع کر دیا تھا، میں ان لوگوں کو انگریزی پڑھاتا جن کی مادری زبان انگریزی نہ تھی، دراصل یہ پروجیکٹ ابوظہبی (Abu Dhabi) اور ٹیکساس یونیورسٹی امریکہ کے باہمی تعاون سے چل رہا تھا، میں پہلے چھ ماہ ابوظہبی میں قیام کرتا، اور وہاں کے شہریوں کو انگریزی کی تعلیم دیتا، پھر ان شہریوں کو چھ ماہ کے لئے امریکہ لاتا، اور ٹیکساس یونیورسٹی میں مزید تعلیم وتربیت دی جاتی، میں ابوظہبی میں چند اور امریکی اساتذہ کے ساتھ ایک ہوٹل میں مقیم تھا، اس سے مجھے عرب تہذیب سے اور زیادہ متعارف ہونے کا موقع ملا، میں اور دوسرے اساتذہ عرب تہذیب میں گھٹن محسوس کرر ہے تھے، کیونکہ یہاں کی بعض اقدار ہماری امریکی قدروں سے مختلف تھیں۔

میرا روزمرہ کا معمول یہ تھا کہ ہوٹل سے اسکول اور اسکول سے واپس ہوٹل پہنچ جاتا، مجھے زندگی بے کیف اور بے مزہ نظر آنے لگی مجھے لہو ولعب کی زندگی کی تلاش تھی تاکہ دل مچلے اور زندگی لطف اندوز بن جائے، میں نے سوچا کہ یہ سب چیزیں امریکہ کے شہر لاس ویگاس (Las Vegas) میں میسر ہیں، پس میں نے بوریا بستر باندھا اور وہاں پہنچ گیا۔

دنیاوی لذت کی تلاش

لاس ویگاس میں مجھے نوکری نہ مل سکی، میں نے اخبار میں اجنبی باشندوں کو انگریزی پڑھانے کا اشتہار دیا، شروع میں دوتین طالبعلم ملے، میں ان کو اپنے گھر کے باورچی خانے میں بورڈ آویزاں کرکے تعلیم دیتا، بتدریج طلباء کی تعداد بہت بڑھ گئی کیونکہ اس شہر میں اکثریت اجنبیوں کی ہی ہے، اس سے مجھے یہ بھی واضح ہو گیا کہ میرے لئے انگلش ٹیچر کا کام نہایت مناسب ہے۔

میں نے ایک اور دوست کے تعاون سے ایک درسگاہ قائم کرلی، اور ہمارا کاروبار دن بدن ترقی کرتا گیا، اس آسودگی کی وجہ سے میں دوبارہ جوا، شراب، لڑکیوں سے دوستی اور دیگر ایسی ہی

برائیوں میں ملوث ہوگیا، لیکن زیادہ وقت نہ گزرنے پایا تھا کہ میں ان خبیث حرکات سے متنفر ہو گیا، کیونکہ ان سے زندگی کو کیف ملنے کی بجائے کوفت ملتی تھی، ایک بار پھر مجھے اپنی زندگی کی روش بدلنے کی اشد ضرورت پیش آئی، میں نے ابو حسین کو اپنی درخواست بھیجی تا کہ وہ مجھے سعودی عرب میں کام دلوا سکے، خوش قسمتی سے مجھے سعودی عرب کے ایک شہر جبیل (Jubail) میں انگریزی زبان کے مدرس کے طور پر ملازمت مل گئی، اور میں جلد ہی سعودی عرب پہنچ گیا۔

توبہ کی طرف سفر

ایک دن میں فلسفے کی ایک کتاب کا مطالعہ کرر ہا تھا، اس میں لکھا تھا کہ انسان کومخلصانہ توبہ کرنی چاہیئے، میں نے زندگی میں کبھی توبہ نہیں کی تھی، اس موقع پر میں ان سب افراد کے بارے میں سوچنے لگا جن پر میں نے کسی نہ کسی طرح ظلم کیا تھا اور اسی طرح بار بار اپنی ذات پر بھی ظلم کیا تھا، یعنی میں نے اپنی حرص وہواس اور ذاتی مفاد کو ترجیح دی تھی اور دوسروں کی عصمت اور حقوق کو پامال کیا تھا، میرے دل نے آواز دی کہ میرے لئے توبہ کرنا واجب ہے، پس میں نے اس دن صدق دل سے توبہ کی۔

کافی عرصہ بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلصانہ توبہ ضرور قبول فرماتے ہیں، میری توبہ قبول ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایسے حالات پیدا کئے اور ایسے ایسے لوگوں سے رابطہ قائم ہوا جو مجھے ہدایت حاصل کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوئے، ایسے چند واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

غیر مسلم کا مسجد میں داخلہ

ایک بار ابو حسین نے مجھے چند دوستوں کے ہمراہ کھانے کی دعوت دی، یہ نماز کا وقت تھا، ہم سب مل کر مسجد چل دیئے، مجھے یہ ہدایت کی گئی کہ تم ہماری طرح وضو کرو اور پھر ہماری ہی طرح نماز ادا کر سکتے ہو، میں نماز کے دوران ان کو آنکھ کے ایک کونے سے دیکھتا رہا اور ان کی اتباع کرتا رہا، نماز کے بعد میں اپنی جگہ منجمد ہو کر بیٹھ گیا اور انتظار میں تھا کہ اب کیا کرنا ہے؟ میرے دوستوں نے مجھے کہا کہ باجماعت نماز کے بعد میں مسجد کے باہر ان کا انتظار کر سکتا ہوں تا کہ مجھے

پہلی بار زیادہ مشکل سے دوچار نہ ہونا پڑے، اس روز مجھے یہ احساس ہوا کہ ایک غیر مسلم بھی مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ایک بار پھر ایسا ہی معاملہ ہوا، میں ابوحسین کے گھر تھا، سب دوست مل کر گھر میں ہی نماز ادا کرنے والے تھے، انہوں نے مجھے رائے دی کہ میں بھی ان کے ساتھ نماز ادا کروں، نماز کے دوران اللہ سے استغفار کروں، اور پھر ہدایت کی دعا مانگوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں، اس نماز کے بعد مجھے بے حد ذہنی سکون ملا، مجھے ایسا سکون زندگی بھر نصیب نہ ہوا تھا، اس لئے میں ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا کہ بحیثیت غیر مسلم ان مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرسکوں اور بار بار ویسی کیفیت پیدا کرسکوں۔

مجھے اسلام کی مٹھاس تو مل چکی تھی، لیکن میں ابھی دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار نہ تھا، اس کی کئی وجوہات تھیں، مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ میں پرانے دوستوں اور اپنے کنبہ سے کٹ جاؤں گا، اس کے علاوہ شراب نوشی، منشیات، جوابازی اور لڑکیوں سے دوستی کو یک دم خیرباد کہنا ناممکن سا لگ رہا تھا، دائرۂ اسلام میں داخل ہونے پر مجھے پورا طرزِ معاشرت بدلنا پڑتا، میں ذہنی طور پر اس کے لئے ابھی تیار نہ تھا۔

اسی شہر میں میرا ایک امریکی مسلم دوست بطورِ انجینئر کام کررہا تھا، اس کا نام علی بشیر تھا، ایک دن میں ابوحسین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے مسجد گیا، وہاں علی بشیر سے ملاقات ہوئی، میں نے علی بشیر سے کہا کہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بالکل قریب ہوں، یوں سمجھ لیں کہ میں ایک جنگلے پر بیٹھا ہوں، اگر کوئی مجھے معمولی سا دھکا دے تو میں اسلام میں داخل ہو جاؤں گا، علی بشیر نے اس مقصد کے لئے مجھے ایک ویڈیو دی، تاکہ میں اس سے مستفید ہوسکوں۔

ایک اہم پکنک

جبیل کے مسلمان شہریوں نے ایک پکنک کا انتظام کیا اس میں ہم چھ غیر مسلم بھی مدعو تھے، ہم نے دن بھر مختلف کھیلوں میں حصہ لیا، پھر مل جل کر کھانا کھایا، آخر میں ایک مختصر تقریر سنی، میں

یہ سن کر دنگ رہ گیا کہ مسلمان سب پیغمبروں اور سب الہامی کتابوں کو مانتے ہیں اور یہ ان کے ایمان کا اہم جز ہے، مجھ کو کچھ لٹریچر بھی دیا گیا جس میں مختلف مذاہب کا موازنہ درج تھا، ان میں سے ایک کتابچہ بہت ہی دلچسپ تھا، اس میں ایک مسلمان اور عیسائی کے درمیان بحث مباحثہ درج تھا، اس لٹریچر کے پڑھنے کے بعد میرا ایک اللہ پر یقین اور بڑھ گیا، لیکن میری سمجھ سے بالا تھا کہ اس کی عبادت کیسے کروں اور یہ کہ اللہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ علاوہ ازیں مجھے یہ بھی واضح نہیں تھا کہ مجھے کس رنگ ڈھنگ سے زندگی گزارنی چاہیے؟

دلچسپ ویڈیو

ابوحسین صاحب اکثر گھر میں دعوت کا اہتمام کرتے، اس بار بہت بڑا گروپ تھا، حسب معمول ہم نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد سب نوجوان آپس میں عربی زبان میں باتوں میں مشغول ہوگئے، وہاں میں اکیلا ایک بُدھو کی طرح بیٹھا تھا اس دوران مجھے اس کمرے میں ایک ٹیلی وژن اور وی سی آر نظر آیا، میں اپنی کار سے علی بشیر کی عطا کردہ ویڈیو لے آیا اور اسے دیکھنا شروع کیا، وہ انگریزی زبان میں تھی، مہمانوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی، میں ویڈیو دیکھنے میں ہمہ تن مشغول رہا، اس ویڈیو کا عنوان تھا:

''تمہاری زندگی کا کیا مقصد ہے، تم اسلام کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

جب میں نے یہ عنوان دیکھا تو فی الفور سوچنے لگا کہ آخر میری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اکثر لوگوں کی طرح میں بھی اپنی زندگی کے اصل مقصد سے بے بہرہ تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ویڈیو ایک امریکی مسلمان جناب خالد یاسین صاحب کا لیکچر تھا جو انہوں نے ۱۹۹۰ء میں جدہ کے تبلیغی مرکز میں دیا تھا۔

اس ویڈیو سے مجھے کئی اہم نکات سمجھ میں آئے:

۱۔ زندگی کا مقصد اسلام ہونا چاہیے، یعنی خالق حقیقی کی دل وجان سے اطاعت، یہ جواب نہ صرف فصیح وبلیغ تھا، بلکہ پورا مفہوم ایک لفظ اسلام میں ادا ہو جاتا تھا، گویا دریا ایک کوزے میں

بند کردیا گیا ہے، اور مشکل سوال کے جواب کے لئے کئی کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

۲۔ لفظِ اسلام کا ذکر قرآن پاک میں ہے، باقی ماندہ مذاہب کے نام کا ذکر ان کی کتابوں میں مذکور نہیں۔

ویڈیو کا مشاہدہ کرنے کے بعد

ویڈیو کا مشاہدہ کرنے کے بعد میرا دل واشگاف ہوا، اور دل کے اوپر کا پردہ بھی ہٹ گیا، مجھ پر حقیقت آشکارا ہوگئی اور میں نے سچائی کو دل و دماغ سے جان اور پہچان لیا، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے گناہوں کا انبار میرے جسم سے خارج ہو رہا ہے، اور کسی ہوائی چیز کی طرح دور اُڑتا جا رہا ہے، خصوصاً میرے کندھوں کے گرد سے بوجھ بالکل ہٹ گیا اور مجھے اپنا جسم اتنا ہلکا لگنے لگا گویا میں چھت کی طرف اڑ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ (الانعام: ۱۲۵)

(پس اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے)۔

قبول اسلام کے لئے بے قراری

اب میرا دل اسلام کی نعمت سے محروم رہنے کے لئے ایک لمحہ کے لئے بھی تیار نہ تھا، میں نے ابوحسین صاحب کو اپنی طرف بلایا اور انہیں اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے آیا، میں نے ان سے بے قراری سے دوٹوک کہا کہ میں ابھی اور اسی وقت اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ مجھے فی الحال اسلام کے بارے میں مزید مطالعہ کرنا چاہئے، لیکن میں نے اصرار کیا کہ میں اب بغیر کسی تاخیر کے ابھی اپنے دل کو نورِ اسلام سے منور کرنا چاہتا ہوں، میری اس بے قراری اور اصرار پر ابوحسین صاحب مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے گئے، اور میں نے سکون سے وہاں کلمۂ شہادت پڑھا۔ والحمد اللہ علی ذلک

اب ابوحسین صاحب نے پورے گروپ میں میرے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا، لوگ حیران رہ گئے اور خوشی سے باری باری بغل گیر ہو گئے، مجھے یہ ہدایت کی گئی کہ گھر جا کر غسل کروں اور پھر نمازیں ادا کرنا شروع کر دوں، بفضلِ خدا میں نے اگلے روز صبح سے نمازیں ادا کرنا

شروع کر دیں اور سجدوں میں سرور آنے لگا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مسلم نام

میں دو دن بعد جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے گیا، ابوحسین صاحب نے مجھے یہ رائے دی کہ یہاں سب نمازیوں کے سامنے دوبارہ کلمہ پڑھوں، میں نے اس رائے سے اتفاق کیا، ابو حسین صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم کونسا مسلم نام پسند کرتے ہو تا کہ امام صاحب اس مسلم نام سے تمہارا تعارف کرواسکیں، میں نے جواباً عرض کیا کہ فی الحال مجھے کوئی نام یاد نہیں آرہا۔ امام صاحب میرے امریکی نام سے ہی تعارف کروا دیں تو بہتر ہے، اس کے بعد ابوحسین صاحب میرے قریب بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہوگئے، اچانک انہوں نے اپنی کہنی سے میرے جسم کو چھوا اور کہنے لگے کیا تجھے یحییٰ نام پسند ہے؟ میں نے پوچھا یحییٰ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: John the Baptist یعنی یحییٰ علیہ السلام، میں نے کہا کہ میں John the Baptist کو اپنے پرانے مذہب سے بھی پہچانتا ہوں، ابوحسین صاحب نے کہا کہ اس کے دوسرے معنی نئی زندگی کے بھی ہیں، میں نے کہا کہ یہ میری ایک نئی زندگی ہے، اس لحاظ سے بھی یہ نام مناسب ہے اس طرح میں نے تعارف سے پہلے ہی یحییٰ نام پسند کرلیا، اور امام صاحب نے جمعہ کی نماز کے بعد میرا اسی نام سے تعارف کروایا۔

تقریباً چارسو لوگوں کے سامنے کلمہ پڑھنے کے بعد سب افراد بے حد خوشی اور پیار سے مجھ سے بغل گیر ہوئے، بعض لوگ باری باری گلے ملتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ تم نے اپنی زندگی میں یہ سب سے اچھا فیصلہ کیا ہے، مجھے تعجب ہوا کہ ہر شخص انفرادی طور پر گلے ملے بغیر مسجد سے نہیں جانا چاہتا تھا، اس محبت اور اخلاص سے میرا اسلامی جذبہ اور حوصلہ بہت بلند ہوگیا۔

اسلامی تعلیم وتربیت

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں ایک اسلامی ملک میں مقیم تھا، اس لئے اسلامی تعلیم وتربیت

حاصل کرنا بہت آسان تھا، میں نے چند اجنبی ممالک کے مسلمانوں کے ہمراہ ہفتہ میں کم از کم ایک دن تعلیم کے لئے مقرر کیا، یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا، میں نے عربی، حفظِ قرآن اور فقہ وغیرہ سیکھ لئے، یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ میں نے ۱۹۸۴ء کے سعودی سفر سے پہلے ہی ایک کتاب سے خود بخود عربی حروف پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا تھا، اسی وجہ سے میں نے قرآن پاک کی تلاوت کرنی بہت جلد سیکھ لی، قرآن پاک کی زبان عربی ہے، میرے خیال میں ہر مسلمان کے لئے عربی سیکھنا اور سمجھنا نہایت اہم ہے۔

چند سال کے بعد جب میں مدینہ منورہ منتقل ہوا تو یہاں کے روحانی ماحول نے میرے دل کو اور بھی پاک کر دیا۔ الحمد اللہ

شادی خانہ آبادی

اسلام کی تعلیمات کے مطابق شادی کرنا ضروری ہے، میں نے سوچا کہ میں اپنے بچوں کو سب سے قیمتی تحفہ یہ دوں گا کہ عربی زبان ان کی مادری زبان ہو، اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ میں کسی عربی نسل کی لڑکی سے شادی کروں، اس سوچ کے تحت میں نے ایک شامی لڑکی سے شادی کی اور اللہ کے فضل سے ہمارے بچوں کو عربی زبان پر خوب عبور ہے۔

چھٹیوں کے دوران میں امریکہ گیا، میرے دوست میرا مذاق اڑانے لگے اور بار بار کہتے کہ تم اس عورت سے کیسے شادی کر سکتے ہو جسے تم ذاتی طور پر پوری طرح سے نہیں جانتے ہو؟ میں نے انہیں وضاحت کے طور پر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں میاں بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کر دیا ہے، اور دونوں کا کردار بھی مخصوص ہے، یہ سب خالق مطلق کے قوانین ہیں جو کہ انسان کے بنائے ہوئے تمام قوانین سے بدرجہا بہتر و افضل ہیں، اگر ہم ان قوانین کی خلوصِ نیت سے پیروی کریں تو میاں بیوی کے تعلقات میں ذرا بھی آنچ نہیں آتی، بلکہ ایک مثالی اور پُرسکون زندگی نصیب ہوتی ہے، انہوں نے میری بات سن کر قہقہہ لگایا، میں نے امریکی دوستوں پر ان سے بھی بڑھ کر قہقہہ لگایا اور یہ کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم شادی سے پہلے کئی لڑکیوں سے دوستی کرتے، تمہارا یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے تم کار خریدنے سے پہلے اسے ٹیسٹ ڈرائیو

(Test Drive) کرتے ہو، یہ سن کر وہ لاجواب ہو گئے۔

والدین کا ردِ عمل

میرے اسلام قبول کرنے کی خبر سن کر میرے والدین کو کافی کوفت ہوئی، لیکن وہ بتدریج قدرے رواداری سے کام لینے لگے، اور کہنے لگے کہ اگر تم اس سے خوش ہو تو ہم بھی تمہاری خوشی میں شریک ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ اکثر امریکی والدین بچوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، اور متضاد خیالات کے باوجود ایک دوسرے سے رواداری سے پیش آتے ہیں۔

ایک بار میری بہن نے مجھے امریکہ سے سعودی عرب فون کیا اور یہ اطلاع دی کہ میری والدہ صاحبہ بہت بیمار ہیں، میں اور میری اہلیہ فی الفور امریکہ پہنچے، میں اور میری اہلیہ حسبِ استطاعت ان کی عیادت و خدمت کرتے رہے، میری والدہ صاحبہ میری اہلیہ کی مخلصانہ خدمات سے بہت متاثر ہوئیں۔

ایک دن میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا: کیا آپ کا ایک اللہ پر یقین ہے، وہ کہنے لگیں: ہاں، تو میں نے ان سے کہا میرے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ عربی میں دہرائیں، یعنی انہیں کلمہ پڑھنے کو کہا، میری والدہ صاحبہ نے اسے میرے ساتھ تین بار دہرایا، پھر میں نے یہ کلمہ انگریزی میں دہرایا یعنی اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

پھر ایک دن میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا: کیا آپ کا خدا کے پیغمبروں یعنی آدم علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہے؟ کہنے لگیں: ہاں، تو میں نے ان سے درخواست کی کہ ایسی صورت میں آپ میرے ساتھ یہ الفاظ عربی میں دہرائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پھر ہم نے یہی کلمہ انگریزی زبان میں بھی دہرایا، مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ انہوں نے یہ کلمہ بھی کم از کم دو بار دہرایا۔ والحمدللہ

ایک غیر معمولی مشاہدہ

ایک دن میری والدہ صاحبہ مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہارے ماتھے سے روشنی کی بہت شعاعیں نکل رہی ہیں، میں نے انہیں وضاحت کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنے کے باعث ہے، اور یہی روشنی قیامت کے دن پل صراط پر ہماری رہنمائی کریگی، میری والدہ

صاحبہ کے اس مشاہدہ کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ الحدید میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مومن مردوں اور مومن عورتوں کے سامنے اور دائیں طرف روشنی ٹھاٹھیں مار رہی ہوگی، جو کہ انہیں جنت کی خوشخبری دے رہی ہوگی، وہ جنت جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ واقعی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

میری والدہ صاحبہ اسلام قبول کرنے کے تقریباً پانچ دن بعد اس دنیا سے رحلت فرما گئیں، میں اللہ تعالیٰ کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے میری والدہ صاحبہ کو ان کے دنیا میں آخری ایام کے دوران ہدایت سے سرفراز فرمایا، اور ان کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ میری والدہ صاحبہ اپنی زندگی میں دل کھول کر خیرات کرتیں، اور دوسروں کی ضروریات کو ذاتی ضروریات پر ترجیح دیتیں، علاوہ ازیں وہ رشتہ داروں کو بہت تحفے تحائف بھی پیش کرتیں، مثلاً میری بیوی اور بچوں کو کئی بار قیمتی تحفے امریکہ سے سعودی عرب بھجوائے، غالباً ان کی یہ قربانیاں اور غریب و بے کس کی مدد اور صلہ رحمی ان کے کام آ گئی۔

میرے باقی رشتہ دار اپنی طرز حیات کو نہیں بدلنا چاہتے اور وہ پرانے انداز سے زندگی بسر کر رہے ہیں، ہم پھر بھی ایک دوسرے سے مروّت اور احترام سے ملتے ہیں۔

اس وقت پروفیسر یحییٰ صاحب طیبہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ میں انگریزی کی تعلیم کے لئے مامور ہیں، انہوں نے مختلف مذاہب کے موازنے پر ایک بہت اعلیٰ کتابچہ شائع کیا ہے، جس کا نام ہے:

The Best Way to Live and Die

(یعنی) جینے اور مرنے کا بہترین طریقہ

یہ کتابچہ وامی (World Assembly of Muslim Youth) WAMY سعودی عرب سے مفت ملتا ہے، ان کی خواہش ہے کہ ایسی ہی اور کتابیں شائع کریں تا کہ لوگ ان کی سوچ اور تجربہ سے مستفید ہو سکیں۔

وہ مقامی تبلیغی مرکز میں اعزازی طور پر کام کر رہے ہیں تا کہ نئے مسلمانوں کے ایمان کو

فروغ دیں، اور ان کے دلوں کو تقویت ایمانی سے سیراب کریں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔ آمین

پروفیسر یحییٰ صاحب کو غیر مسلم لوگوں سے انگریزی زبان میں بات چیت کرنا بہت مرغوب ہے، ان کا ای میل اڈریس حسبِ ذیل ہے:

dflood58_2000@yahoo.com

ائمہ کرام مسجد الحرام۔ مکہ مکرمہ (۲۰۱۰ء)

۱۔ الشیخ / محمد بن عبداللہ السبیل۔ چیئرمین امور حرمین شریف۔

۲۔ الشیخ / صالح بن حیدر رئیس مجلس شوری۔

۳۔ الشیخ / صالح بن آل طالب۔ جج ہائی کورٹ۔ مکہ مکرمہ۔

۴۔ الشیخ ڈاکٹر / سعود بن ابراہیم الشریم (جج ہائی کورٹ۔ مکہ مکرمہ۔ ریٹائرڈ)۔

۵۔ الشیخ ڈاکٹر / عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

۶۔ الشیخ ڈاکٹر / اسامہ بن عبداللہ خیاط۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

۷۔ الشیخ ڈاکٹر / ماہر المعیقل۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

۸۔ الشیخ ڈاکٹر / عواد بن عبداللہ الجہنی۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

۹۔ الشیخ ڈاکٹر / فیصل الغزاوی۔ پروفیسر جامعہ اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

۱۰۔ الشیخ ڈاکٹر۔ خالد الغامدی۔ پروفیسر جامع اُم القریٰ۔ مکہ مکرمہ۔

ابراہیم سلیمان (Ibrahim Suleiman)

نائیجیرین طالب علم

ہر مذہب کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں پر اپنی سچائی اور فوقیت ثابت کرے، ایسی سرگرمیاں دنیا کے کئی ممالک میں جاری ہیں، ایک مذہب کو خیرباد کہہ کر دوسرے مذہب سے منسلک ہونا کسی شخص کے لئے ایک نہایت اہم فیصلہ ہوتا ہے، اکثر اوقات والدین کا ذاتی فیصلہ ان کی آنے والی کئی نسلوں پر اثر انداز ہوتا ہے، بچے اپنے آباء واجداد کے مذہب پر قائم رہنا اپنے آباء واجداد کی تعظیم کا ایک اہم جز سمجھتے ہیں، معاشری اور تہذیبی بندھنوں کو توڑنا سراسر گستاخی اور ناخلفی تصور کیا جاتا ہے، ایسی مشکلات کے باعث بہت ذہین اور صاحب کمال لوگ بھی وسعتِ قلبی سے اپنے مذہب کا دوسرے مذاہب موازنہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے، بلکہ دوسرے مذاہب کے بارے میں ایک شدید تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں گو ظاہری طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہر طرح کے تعصب سے پاک ہیں، درحقیقت وہ اپنے ضمیر کی آواز کو بھی جھٹلا کر معاشرتی اور تہذیبی قیود میں جکڑے رہتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تعصب سے بالاتر ہو کر صدقِ دل سے سچائی کی تلاش پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، خالقِ مطلق کا یہ طریقہ ہے کہ ان لوگوں کو ضرور حق سے آشنا فرما دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ ان کے لئے اللہ کی رحمت کے نئے دروازے بھی کھلتے جاتے ہیں، ابراہیم صاحب کی مختصر کہانی اس کی وضاحت کے لئے ایک مناسب مثال ہے، انہوں نے اپنی کہانی مجھے کچھ یوں بیان کی:

میں نائیجیریا میں پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پائی، میرے دادا مسلمان تھے اور ان کا نام

سلیمان تھا، ان کے تین بیٹے تھے، ان میں سے ایک نے دس سال کی عمر میں عیسائی پادریوں کی دعوت پر عیسائی مذہب اختیار کرلیا، جب وہ بڑا ہوا تو اس نے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی اور اسے بھی عیسائی بنا لیا، اس کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی تھی، میں ان میں سب سے چھوٹا تھا، میری والدہ میری پیدائش کے تقریباً ایک ہفتے بعد فوت ہوگئیں، ہم سب بہن بھائی والدین کی طرح عیسائی مذہب پر کاربند تھے، حالانکہ ہم ایک مسلمان محلّہ میں مقیم تھے، میرے والدین کینو (Kano) شہر کے ایک ہائی اسکول میں کام کرتے تھے، میرے والد صاحب اسکول لائبریری سے منسلک تھے جبکہ میری والدہ صاحبہ اسکول کے عملہ اور طلباء کے لئے کھانا پکوانے کی انچارج تھیں، میں نے بھی اسی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔

میرے دادا جان نے ہم سب کے مسلم نام رکھے تھے، میرا نام ابراہیم تھا، اس کے علاوہ ہمارے قبائلی نام بھی تھے، لوگ ہمیں قبائلی ناموں سے ہی پکارتے تھے، جب کبھی میرے دادا جان ہمارے گھر تشریف لاتے تو میرے والد صاحب یہ ظاہر کرتے کہ وہ مسلمان ہیں گو اسلامی تعلیمات پر کاربند نہیں ہیں، اسی طرح سے زندگی گزرتی رہی۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے: والدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اور ان کی تعظیم کے لئے ہم سب بہن بھائی عیسائی مذہب پر کاربند تھے اور اس روش سے سرمو انحراف کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے، میرے بڑے بھائیوں اور بہن نے عیسائی گھروں میں ہی شادی کی، ان میں سے ایک بڑے بھائی نے چاہا کہ ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرے، اسے یہ بتایا گیا کہ ایک مسلمان لڑکی کو غیر مسلم سے شادی کی اجازت نہیں، اس لئے میرے اس بھائی نے مجبوراً اسلام قبول کرلیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف نام کا مسلمان ہے، اور اس نے اپنے کسی رشتہ دار کو کبھی اسلام کی دعوت نہیں دی۔

جب میں ہائی اسکول کا طالبعلم تھا تو ہمارے شہر میں ایک سعودی کانفرنس منعقد ہوئی، میرے والد صاحب نے مجھے وہاں کام دلوادیا، میری ڈیوٹی تھی کہ کانفرنس کے دوران ان کی ہر طرح سے خدمت کروں، میں عربی زبان سے واقف نہیں تھا، اسلئے کانفرنس کے دوران مجھے ان

کی بات چیت بالکل سمجھ میں نہ آتی تھی، ایک مقامی شیخ ترجمہ کر کے مجھے کام کاج کی ہدایات دیتے اور میں خوب تندہی سے ان کی خدمت بجا لاتا۔

یہ سعودی گروپ ہر سال کینو (Kano) شہر میں کانفرنس منعقد کرتا، اگلے سال بھی میں ان کا خدمتگار مقرر ہوا، حسب معمول میں نے ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ہم باہمی طور پر ایک دوسرے کو قدر کی نظر سے دیکھنے لگے۔

اس دوران اس گروپ کے مقامی ممبر شیخ فہد صاحب نے مجھ سے پوچھا: کیا تم مسلمان ہو؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں تو عیسائی ہوں، انہوں نے مختصر طور پر مجھے اسلامی عقائد سے آگاہ کیا، مجھے یہ عقائد اچھے لگے، وہ پوچھنے لگے کہ کیا تم مسلمان ہونا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں پہلے اپنے والدین سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا، میرے والد صاحب ٹھنڈے دل کے مالک ہیں، میں نے ان سے ذکر کیا تو وہ مجھ سے غصے اور ناراض وغیرہ نہ ہوئے، بلکہ انہوں نے شفقت سے کہا کہ اگر تجھے اسلامی عقائد پسند ہیں تو مسلمان ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، پس اگلے روز بفضلِ خدا میں نے شیخ فہد صاحب کے ذریعے اسلام قبول کرلیا۔

ہمارے محلے کے عیسائی لوگوں نے بہت طوفان برپا کر دیا، انہوں نے میرے والد صاحب پر بہت دباؤ ڈالا کہ مجھے اسلام قبول کرنے کی اجازت نہ دیں، انہوں نے میرے والد صاحب سے طرح طرح کے سوال کیے، مثلاً کیا میں نے اس لئے اسلام قبول کیا ہے کہ سعودی لوگ سفید فام ہیں؟ کیا انہوں نے مجھے پیسے دیئے ہیں؟ کیا وہ مجھے سعودی عرب لے جانا چاہتے ہیں؟ میرے والد صاحب نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے سب الزامات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس کے علاوہ میں اپنے بیٹے کو مسلمان ہونے سے کیسے روک سکتا ہوں، جبکہ اس کا دادا بھی مسلمان تھا۔

شیخ فہد صاحب نے مجھے ہدایت کی کہ اسلام پر کاربند ہونے کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت از حد ضروری ہے، اس لئے میں نے فی الفور مقامی اسلامک سینٹر میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی، یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے پڑوس میں مسز عبدالکریم مقیم تھیں، انہوں نے

اسلامیات میں پی-ایچ-ڈی کررکھی ہے، اوراب وہ ایک مقامی اسکول میں ٹیچر ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کی قرآن کی قرأت کے لئے ایک معلم کا انتظام کررکھا تھا جو کہ اس مقصد کے لئے ہر روز ان کے گھر تشریف لاتے، مسز عبدالکریم نے مجھے بھی اس گروپ میں شامل کرلیا، اس طرح میری قرأت بھی اچھی ہوگئی۔

اگلے سال سعودی کانفرنس پھر منعقد ہوئی، وہ سب مندوبین میری اسلامی تعلیم وتربیت سے بہت خوش ہوئے، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے، سعودی مندوبین نے مجھے اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ میں داخلہ دلوا دیا، میں اس یونیورسٹی میں تین سال سے عربی زبان سیکھ رہا ہوں، اگلے سال اس یونیورسٹی کے ڈگری کے کورس میں شامل ہو جاؤں گا اور چار سال کی مزید تعلیم کے بعد انشاء اللہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا ایمان بہت پختہ ہوگیا ہے، اور اسلامی طرز حیات مجھے دل وجان سے محبوب ہے۔

میرے والد صاحب نے میری والدہ کی وفات کے بعد دوبارہ شادی کی، اور ان کے مزید پانچ بچے ہوگئے، یہ سب بچے بھی والدین کی طرح ہی عیسائی ہیں۔

اس سال میں گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران نائیجریا گیا، میں نے اپنے حقیقی اورسوتیلے سب بھائیوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا، کیونکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ اللہ کے حکم اور سب پیغمبروں کی سنت کے مطابق سب سے پہلے گھر والوں کو دعوت دی جائے، اوران کی اصلاح کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرے ایک بڑے بھائی صاحب نے خلوصِ دل سے اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ مقامی اسلامک سینٹر میں روزانہ تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح میرے دس سالہ سوتیلے بھائی نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ میرے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہر روز مسز عبدالکریم کے گھر تعلیم کے لئے جاتا ہے، میرے دل سے مسز عبدالکریم کے لئے بار بار دعا نکلتی ہے، کیونکہ وہ اپنے محلے کے بچوں کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کررہی ہیں۔

میری خواہش ہے کہ مدینہ منورہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تبلیغ کے سلسلہ کو

جاری رکھوں، تاکہ ایک اچھے داعی کے طور پر اسلام کی خدمت کرسکوں۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے میرے بھائیوں کو ہدایت سے سرفراز کیا، میں امید رکھتا ہوں کہ انشاءاللہ مستقبل میں بھی اورلوگوں کوراہِ ہدایت سے آشنا کرتا رہوں گا۔

میری کہانی کوئی اتفاقی معاملہ نہیں، عیسائی سرگرمیوں نے نائیجیریا اور افریقہ کے دوسرے ممالک میں کئی گھروں کواسلام سے منحرف کر دیا ہے، اور ایک ہی گھر کے افراد کوکئی گروہوں میں بانٹ دیا ہے، ان کی ایک کامیابی کا سہراان کی ٹھوس تنظیموں کے سر ہے، یہ تنظیمیں پیسے سے مالا مال ہیں، یہ اپنے داعی اور نئے عیسائی کی بھرپور مالی اعانت کرتے ہیں، ان کے لٹریچر کی طباعت بھی اعلیٰ معیار کی ہوتی ہے، ان کے کارکن اس لٹریچر کو لے کر ایک ایک گھر پہنچتے ہیں اور اس کام میں بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔

یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس نہ تو ایسا لٹریچر ہے اور نہ ہی کارکن، اگر کوئی کارکن دل و جان سے کام کرنا بھی چاہے تو محلے کے لوگ مالی طور پر اس مذہبی راہنما کی بنیادی ضروریات تک پوری نہیں کر پاتے، پس وہ پست حوصلہ ہوکر تبلیغ کا کام سرانجام نہیں دے پاتا، اس طرح سے کئی اہلِ علم کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں جو کہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

مذکورہ خیالات کوئی نئے انکشافات نہیں ہیں، بلکہ اکثر لوگ ان حقائق سے باخبر ہیں، میں صرف مالدار ومخیر مسلمانوں کی یاد دہانی کے لئے عرض کررہا ہوں، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے افریقی ممالک کی مدد کریں، اور دعا گو ہوں کہ: اللہ تعالیٰ انہیں جلد سے جلد اس کارِ خیر کی توفیق بخشیں۔ آمین

جینٹ روز (Janet Rose)

ایک کینیڈین ٹیچر

جینٹ روز کینیڈا کے شہر ایڈمنٹن (Edmonton) میں پیدا ہوئی، اس کی فیملی کئی نسلوں سے کینیڈا میں مقیم ہے، جینٹ نے اپنی مختصر کہانی یوں بیان کی:

میں نے پرائمری سے لیکر ہائی اسکول تک کی تعلیم ایک رومن کیتھولک درسگاہ میں حاصل کی، اور میری فیملی عیسائی مذہب کے رومن کیتھولک فرقہ سے منسلک تھی، ایک بات مجھے ہر وقت کھٹکتی رہتی تھی، وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟ جتنا اس پر غوروخوض کرتی اتنا ہی اور الجھن میں پڑ جاتی۔

میں تقریباً اٹھارہ سال کی تھی جب میں نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کرلی، اور اب عملی زندگی میں قدم رکھنے کے لئے تیار تھی، اس دوران میری ملاقات ایک پاکستانی شہری خالد صاحب سے ہوئی، آج سے تقریباً 26 برس قبل کینیڈا میں ایک ایسا قانون تھا جس کے تحت محض امیگریشن (Immigration) کے لئے عارضی شادی کرنا جائز تھا، خالد صاحب نے کینیڈا کا شہری بننے کی خاطر مجھ سے شادی کرلی۔

میرے خاوند اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابلِ رشک اخلاق سے مزین تھے انہوں نے اس دوران مجھے اسلام قبول کرنے پر قطعاً مجبور نہ کیا، بلکہ مجھے یہاں تک آزادی دے دی کہ میں ہونے والی بچی کو عیسائی تعلیم دوں یا اسلامی تعلیم سے آراستہ کروں، خالد صاحب کے کردار نے مجھے مجبور کردیا کہ اسلام کے بارے میں چھان بین کروں میں نے پبلک لائبریری سے اسلام کے بارے میں چند کتابیں حاصل کرلیں اور انہیں خوب توجہ سے پڑھنے لگی، اس دوران خالد صاحب نے مجھے

قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ بھی عنایت کیا۔

اس مطالعہ سے مجھے یہ سمجھ آئی کہ اسلام میرے آبائی مذہب سے بہت ملتا جلتا ہے، مجھے سب سے بڑھ کر یہ بات پسند آئی کہ اس میں خدا کے بیٹے والا معمہ نہیں آتا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر ہیں، اس نے میری زندگی کی الجھن کو حل کر دیا، پس میں نے بچی کی پیدائش سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا، اور اپنی شادی کو تاحیات قائم ودائم رکھنے کا فیصلہ کرلیا، جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹی عطا کی، اس وقت ہماری دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔

میں نے اسلامی تعلیم اپنے خاوند سے حاصل کی، وہ تقریباً ہر روز مجھے اور بچوں کو تعلیم دیتے اور ہمیں قرآن پاک کی سبق آموز کہانیاں سادہ الفاظ میں بیان کرتے، اس سے میرا اور بچوں کا ایمان قوی ہوگیا۔

یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ساس اور بہو میں کچھ نہ کچھ کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے، خالد صاحب کی والدہ صاحبہ ہمارے پاس کینیڈا آئیں مجھے فخر سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جبکہ خالد صاحب نے مجھے کتابی تعلیم دی، میری ساس نے مجھے صحیح اسلامی کردار عادات اور اخلاق سے روشناس کرایا، ان کی بے لوث محبت اور اخلاص سے میرا دل باغ باغ ہوگیا، پس اگر ساس اور بہو صحیح اسلامی تعلیمات پر گامزن رہیں تو اَن بَن نہیں ہوسکتی۔

ہم نے چند سال کینیڈا کے ایک دوسرے شہر میں قیام کیا، وہاں بچوں کا اسلامی اسکول تھا، میں نے کے جی (K.G) کے ٹیچر کی حیثیت سے اس اسکول میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جس سے میری ذات کو بھی بہت فائدہ پہنچا، اور میرے اسلامی عقائد پختہ تر ہوگئے۔

میرے والدین، بہن بھائی خاموش طبیعت ہیں، اور اسلام کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہتے ہیں، میرے سب رشتہ دار مجھ سے نہایت رواداری سے پیش آتے ہیں۔

کچھ عرصہ بعد ہم نے دوبارہ ایڈمنٹن شہر نقل مکانی کی، ہم نے چند اور دوستوں کے تعاون سے اس شہر میں اسلامک انفارمیشن سینٹر قائم کیا، یہ سوموار سے جمعہ تک شام کے پانچ بجے سے نو بجے تک کھلا رہتا ہے، اور اتوار کو بارہ بجے سے نو بجے رات تک، اس میں تقریباً تین ہزار کتابیں،

اور بے شمار کیسٹ اور ویڈیو بھی ہیں، ان کو سننے اور مشاہدہ کرنے کا انتظام بھی ہے، پس اس سینٹر میں جدید لائبریری کے مطابق سب سہولتیں میسر ہیں۔

علاوہ ازیں اسلامک انفارمیشن کے لئے فری انٹرنیٹ سروس بھی موجود ہے، اس سینٹر میں ہر روز مسلم اور غیر مسلم جوق در جوق آتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مزید ہدایت سے نوازیں۔

یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ میرے خاوند ہر ہفتے ٹی وی پر بھی ایک اسلامی پروگرام نشر کرتے ہیں، جس میں میرا چھوٹا بیٹا خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

میں ایمانداری سے اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی بہت پُرسکون ہوگئی ہے، اور اس وقت میں ایک نہایت مطمئن زندگی بسر کر رہی ہوں۔ الحمدللہ۔

قارئین کرام مندرجہ ذیل ای میل پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں:

Jsehbai@hotmail.com

مریم (Maryam)

پادری کی بیٹی کا قبول اسلام

مریم صاحبہ فلپائن کے ایک عیسائی گھر میں پیدا ہوئی۔ ان کا نام لینور (Leonore) تھا، ان کے والد صاحب عیسائیوں کے ایک چرچ سیون ڈے ایڈونٹسٹ (Seven Day Adventist) کے لیڈر رہے تھے، اس فرقے میں پادری کو چرچ لیڈر یا پریچر (Preacher) کہا جاتا ہے۔ مریم صاحبہ نے مجھے اپنی کہانی یوں بیان فرمائی:

ابتدائی زندگی

میں نے میٹرک تک کی تعلیم فلپائن میں حاصل کی۔ اس کے بعد میڈیکل ٹیکنالوجی میں مَیں نے یونیورسٹی سے BSC کی ڈگری حاصل کی۔ پھر کام کے سلسلے میں تین سال کے لئے ایران چلی گئی اور ہر سال چھٹی کے دوران فلپائن چلی جاتی۔ چونکہ میرے والد صاحب چرچ لیڈر تھے اس لئے میری پوری فیملی مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ویسے بھی ہمیں سیون ڈے ایڈونٹسٹ چرچ کی تعلیمات پر فخر تھا۔ اس چرچ کی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سگریٹ پینا اور شراب نوشی منع ہے۔

۲۔ سور کھانا منع ہے۔

۳۔ تازہ سبزیوں کو کھانے پکانے میں ترجیح دی جائے۔

۴۔ چھلکے (Scales) والی مچھلی کھانی جائز ہے۔

۵۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر یا نقش نگاری ممنوع ہے۔

۶۔ سونا اور مصنوعی زیورات پہننے کی اجازت نہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم تخلیق کو بناوٹی

چیزوں سے بگاڑا نہ جائے۔ صرف گھڑی پہننے کی اجازت ہے کیونکہ یہ روزمرہ زندگی کے لئے ضروری ہے۔

۷۔ بُری عادات، مثلاً حسد اور بدزبانی وغیرہ کی اجازت نہیں۔

۸۔ اگر ایسی غلطی سرزد ہو جائے تو چرچ کے اکابرین کے سامنے جواب دہی ہوتی ہے۔ وہ اصلاح کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

۹۔ اگر بداخلاقی کی غلطیاں بار بار سرزد ہوں تو اس شخص کا نام چرچ کے رجسٹرڈ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

۱۰۔ ہمیں ہفتہ کے روز کام کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ چرچ جانا ضروری ہے۔

مریم صاحبہ کہتی ہیں کہ میں ان تعلیمات پر دل وجان سے کاربند تھی اور عیسائی مذہب سے پوری طرح مطمئن تھی۔

مذہبی سرگرمیاں

ہم چاروں بہنیں اور امی جان چرچ کی سب سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں، میں کبھی تو پیانو کے ساتھ مذہبی گیت گاتی اور کبھی گروپ (Choir) میں گاتی، میرے والد صاحب مذہبی نظمیں بھی لکھتے تھے اور مجھے دعوت دیتے کہ چرچ کے سامعین کے سامنے پڑھوں، اس طرح میں اس سوسائٹی میں ایک پُروقار اور باعزت زندگی بسر کر رہی تھی۔

ایران میں ملازمت

میں نے ۱۹۷۵ء میں ایران کے ایک اسپتال میں بطور میڈیکل ٹیکنالوجسٹ کام کرنا شروع کیا۔ ہماری لیبارٹری کا انچارج بھی ایک فلپائنی ڈاکٹر تھا۔ اس نے استعفےٰ دے دیا۔ اب میں لیبارٹری کی انچارج تھی۔ اسی دوران میرے اسپتال نے ہندوستان کے ڈاکٹر منہاج صاحب کی خدمات حاصل کرلیں اور میں نے لیبارٹری کا چارج انہیں دے دیا۔ ڈاکٹر منہاج صاحب نے چند بار مجھے اسلام کی تعلیمات سے متعارف کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ لیکن میں نے انہیں دوٹوک اور بہت روکھا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ میں کبھی بھی اسلام قبول نہ کروں گی۔ کیونکہ

میرے ملک میں مسلمانوں کو حقیر، کم تر، لڑاکو اور ہر فساد کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔

امریکی خواب

اکثر لوگوں کی طرح میں بھی امریکہ جانے کا خواب دیکھتی رہتی تھی۔ میں نے امریکہ کے چند اسپتالوں میں ملازمت کے لئے درخواست دی۔ مجھے لاس انجلس کے قریب ایک اسپتال نے ملازمت کی پیشکش کی۔ میں ایران کے اسپتال سے دو ماہ کی چھٹی لیکر امریکہ پہنچ گئی۔ میں اپنے دوستوں کے ہاں ٹھہری اور ابھی ملازمت شروع کرنے کا سوچ رہی تھی کہ قدرتی طور پر میرا دل وہاں نہ لگا اور میں نے ایران واپس آکر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ امریکی اسپتال کے انچارج نے مجھے کہا: لوگ ایسی ملازمت کے لئے ترستے ہیں جبکہ تم اسے ٹھکرا رہی ہو۔ شاید اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اسلام کی چند جھلکیاں

میں ایران میں ٹی وی پر قرآن کریم کی تلاوت سنتی۔ اور سمجھتی تھی کہ یہ ایرانی لوگوں کے گانے ہیں۔ اسی طرح میں اذان میں بار بار اللہ اکبر کی آواز سنتی۔ میں سمجھتی کہ یہ لوگ اللہ کے علاوہ اکبر یعنی دو خداؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس دوران ڈاکٹر منہاج صاحب نے اپنے ایک مسلم دوست کی لڑکی سے میرا تعارف کرایا۔ مجھے اس سہیلی کی طبیعت بہت پسند آئی اور میں اپنا فالتو وقت اکثر ان کے گھر گزارتی۔ اگر میں اسلام کے بارے میں کوئی سوال پوچھتی تو وہ مجھے مختصر جواب دے دیتی۔

میرے دل کی نرمی

جب میں اپنی مسلمان دوست کو نماز ادا کرتے دیکھتی تو وہ نماز کو نہایت یکسوئی اور انہماک کے ساتھ ادا کرتیں۔ اُس کی عبادت کے دوران اُس کے اخلاص اور دلجمعی نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ یعنی نماز کے دوران اُس کا خشوع وخضوع قابلِ رشک تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ عبادت کا یہ طریقہ عیسائیوں کی عبادت کے طریقے سے بہت افضل ہے گو ہم میوزک کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل نے گواہی دی کہ مسلمانوں کا مذہب ایک معقول

مذہب ہے۔قدرتی طور پر میرا دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف مائل ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا طریقہ ہی ایسا بنایا ہے کہ ہر غیر متعصب شخص اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ یہاں ضمنی طور پر ایک واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امریکہ کے پریذیڈنٹ نکسن (Nixon) کے مشیر برائے مذہبی امور کا نام باب کرین (Bob Crain) تھا انھوں نے کیلیفورنیا کی ایک مسجد میں اپنی تقریر کے دوران ہمیں مندرجہ ذیل واقعہ بیان فرمایا:

'مجھے پریذیڈینٹ نکسن نے امریکی مسلمانوں کے لیڈروں کے پاس مجھے بھیجا تا کہ ان کے خیالات اور مشکلات کا جائزہ لوں۔ میں نے صبح سے دوپہر تک امریکی مسلم لیڈروں کے ساتھ ایک لمبی میٹنگ کی۔ پھر دوپہر کے کھانے کا وقت آیا مسلم لیڈروں نے کہا کہ ہم ظہر کی نماز پڑھ لیں اور پھر لنچ کریں گے۔ میں نے سوچا کہ میں سارا دن تو ان کے ساتھ رہا ہوں اب اگر نماز کے دوران دور کسی کونے میں جا بیٹھوں تو یہ بُری بات ہے۔ میں نے نماز کے دوران ان کی نماز کی جگہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ میں نے نماز کے دوران ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عاجزی اور انکساری دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت زیرک لوگ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے کیسے انکساری اور مؤدبانہ انداز سے پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ عالی ظرف لوگ اپنے سر اور ماتھے کو زمین بوس کر دیتے ہیں۔ ان کی عبادت کے سادہ طریقے نے میرا دل موہ لیا۔ میں نے دل جان سے سمجھ لیا کہ اسلام میرے عیسائی مذہب سے افضل ہے۔ اور مسلمانوں لیڈروں کی نماز کے بعد میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور ان کا مذہبی بھائی بن گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی پُرسکون نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ تا کہ ہماری ہر نماز دعوت وتبلیغ کا سرچشمہ بن جائے۔ آیئے اب ہم اپنی اصل کہانی کی طرف لوٹیں۔

اسلام کی طرف میرا سفر

اب میں نے جستجو کے طور پر اپنی دوست سے اسلام کے بارے میں سوال کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً میں نے حجاب کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: یہ تو شرم وحیا (Modesty)

اورعورت کی عزت کا پاسبان ہے اور تکبر، بدکرداری اور گھٹیا پن (Cheapness) سے بچاتا ہے مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔

میں نے پوچھا میں اکثر اللہ اکبر سنتی ہوں اس کا کیا مطلب ہے؟ اُس نے جواب دیا: اس کا مطلب ہے کہ اللہ (ہر لحاظ) سے سب سے بڑا ہے اور اس جیسی اور کوئی شئ نہیں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ تورات میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ تورات کی دس کمانڈ منٹ (یعنی احکام) کا حکم نمبر ایک یہی تو ہے۔ پس یہ کہ اللہ سب سے بڑا ہے مجھے دل و جان سے قبول ہے۔ اور یہ اچھی بات ہے کہ مسلمان ہر اذان میں اس کی یاددہانی کراتے ہیں اور اس کا خوب پرچار کرتے ہیں۔ (یاد رہے کہ عیسائی نہ صرف انجیل بلکہ تورات پر بھی ایمان رکھتے ہیں، علاوہ ازیں بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا یہی دس احکامات قرآن پاک کی سورت نبی اسرائیل کی آیات نمبر ۲۲۔۳۸ میں درج ہیں۔ (تفسیر مظہیری)۔ پس ایک اللہ کی ایک ہی تعلیم ہے)۔

اب اسلام کے بارے میں میری جستجو دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چونکہ مجھے عیسائی مذہب پر کافی دسترس تھی۔ اس لئے میرے سوالوں کا جواب کوئی عالم دین ہی دے سکتا تھا۔ ہمارے قریب کی مسجد میں ایک بنگالی امام صاحب تھے جو کہ انگریزی بھی اچھی جانتے تھے میں وقتاً فوقتاً ان سے تبادلۂ خیالات کرتی۔ امام صاحب نے نہایت مدلل طریقے سے میرے سوالوں کا جواب دیا۔ انہوں نے بات چیت نہایت صبر اور سکون سے کی۔ یہاں تک کہ میرے سب خدشات دور ہوگئے اور میں نے امام صاحب سے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اللہ کے فضل سے میں نے امام صاحب کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔ الحمداللہ

اب ڈاکٹر منہاج صاحب نے مجھے شادی کرنے کی ترغیب دی تاکہ میرے لئے اسلامی تعلیم و تربیت آسان ہو جائے۔ میں نے جناب منہاج صاحب کی خداداد صلاحیتوں اور قابلِ رشک کردار سے متاثر ہو کر ان سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب منہاج صاحب کو میرے ارادے کا پتہ چلا تو انہوں نے بار بار یہ کہا کہ کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کررہی ہو میں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ میرے دل کی آواز ہے۔ میرا دل اسلامی تعلیمات

سے پوری طرح مطمئن ہو چکا ہے میرے اسلام قبول کرنے کا شادی سے کوئی تعلق نہیں۔

والدین کا ردعمل

میں نے اپنے والد صاحب کو تار بھیجا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ایک مسلمان ڈاکٹر سے شادی کرنا چاہتی ہوں اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو فوراً اطلاع دیں۔ میرے والدین بہت تعلیم یافتہ اور وسیع القلب تھے۔ انہوں نے مجھے یہ جواب بھیجا۔ تم ایک سمجھ دار عورت ہو، اگر تم اسلام سے مطمئن ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن یاد رکھو کہ محض شادی کرنے کے لئے اسلام قبول مت کرو۔ یہ وہی بات تھی جو ڈاکٹر منہاج صاحب نے کہی۔ ہر مخلص اور حق گو شخص یہی کہے گا۔ پس میں نے خوشی بخوشی ڈاکٹر منہاج صاحب سے شادی کر لی۔

اسلامی تعلیم و تربیت

میرے خاوند ایک نہایت مخلص اور سچے مسلمان ہیں ان کے اعلیٰ اسلامی کردار کے باعث میں نے اسلامی تعلیمات کو سیکھنے سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں بہت جلد ترقی کی۔ علاوہ ازیں میں نے شیخ احمد دیدات صاحب کی ویڈیو بھی دیکھی جو کہ اسلام اور عیسائی مذہب کا موازنہ ہے اس نے میرے باقی ماندہ خدشات کو بھی دور کر دیا۔ بعدازاں میں نے ڈاکٹر جمال بدوی صاحب کے کئے پروگرام ٹی وی پر دیکھے ان سے میری اسلامی سوچ میں اور پختگی آ گئی۔ میں ہر مسلمان کو ڈاکٹر جمال بدوی صاحب کی ویڈیو (Videos) دیکھنے کی تلقین کرتی ہوں۔

میں عربی کے حروف تہجی سے بالکل بے بہرہ تھی۔ منہاج صاحب نے شادی کے فوراً بعد مجھے عربی سکھائی اور پھر بفضل خدا قرآن پاک پڑھانا شروع کیا۔ ہم ہر روز فجر کی نماز کے بعد آدھ پون گھنٹہ قرآن پاک پڑھتے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے ایک ہی سال میں پورا قرآن پاک پڑھ لیا۔ اور میں خود ہی قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھتی تھی۔ اس سے میرے ایمان کی مٹھاس مزید بڑھ گئی۔

سعودی عرب میں نقل مکانی

عراق اور ایران کی طویل جنگ کے باعث ہمیں ۱۹۸۳ء میں سعودی عرب منتقل ہونا

پڑا۔ منہاج صاحب کو سعودی اسپتال میں کام مل گیا اور میرے تینوں بچوں کو سعودی اسکولوں میں داخلہ مل گیا۔ اس طرح سے میرے تینوں بچوں کو سعودی اسکولوں میں بہت اچھی اسلامی تعلیم ملی۔ اللہ کے فضل سے میری بڑی بیٹی (فاطمہ) عجمی ہونے کے باوجود اپنے اسکول کی چھٹی جماعت کی (۱۰۵) طالبات میں اوّل آئی جبکہ چھوٹی بیٹی (جویریہ) نہ صرف اپنے اسکول میں اوّل آئی بلکہ اس نے مدینہ منورہ کے سب اسکولوں کے حدیث کے مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ میں گھر میں بچوں کو ہوم ورک اور املا وغیرہ میں مدد دیتی، اس طرح سے میں نے بھی اپنے بچوں سے ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کرلی۔ مجھے اس بات کی بھی بہت خوشی ہے کہ ہم مدینہ منورہ کے مقدس شہر میں چوبیس برس سے مقیم ہیں۔ چھٹیوں کے دوران ہم کبھی ہندوستان جاتے ہیں اور کبھی فلپائن۔ اب فاطمہ بطور ڈینٹسٹ (Dentist) اور جویریہ بطور ڈاکٹر کام کررہی ہیں۔ اور لڑکا بھی یونیورسٹی سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے اپنی ایک بزنس فرم بنائی ہے۔

ہندی ساس سے خط وکتابت

شادی کے فوراً بعد ایران میں ہی میں نے اردو بولنی اور لکھنی سیکھ لی۔ تا کہ ہند میں مقیم اپنی ساس صاحبہ سے بات چیت کرسکوں۔ انہیں انگریزی نہیں آتی تھی میں انہیں گاہے بگاہے اردو میں مختصر خط لکھتی مثلاً آپ کیسی ہیں، یا ہم دونوں سے سلام قبول کریں وغیرہ وغیرہ۔ ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں تو وہ اپنی بیٹی کے ذریعے مجھے جواب ارسال کرتیں۔ میرے سب انڈین رشتے دار میری خوب آؤ بھگت کرتے ہیں۔

ایک بار ڈاکٹر منہاج صاحب کی چند بہنیں عمرہ پر مدینہ منورہ آئیں اور مصنف (امتیاز احمد) کے گھر بھی تشریف لائیں میں نے ان سے مریم کے بارے میں پوچھا۔ ایک کہنے لگی ہم سب شیر وشکر ہوکر ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ایک بار مریم تعطیلات پر ہند آئیں میں نے دیکھا کہ تقریباً آدھی رات کے وقت مریم ایک مچھر دانی کے اندر ٹارچ کی روشنی میں بیٹھی ہے مجھے بے حد تشویش ہوئی، بیچاری بیمار تو نہیں ہوگئی، میں سہمے سہمے مریم کے پاس گئی اور پوچھا کیا ماجرا ہے۔

مریم کہنے لگی فکر نہ کریں میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ مجھے تینوں بچے دن میں بہت مصروف رکھتے ہیں قرآن شریف پڑھنے کا وقت نہیں ملتا اس لئے اب قرآن شریف پڑھ رہی ہوں۔ یہ سن کر میری جان میں جان آئی۔ کاش ہم پیدائشی اور روائتی مسلمانوں میں بھی یہ اخلاص پیدا ہو جائے۔

میں نے مریم صاحبہ سے پوچھا کیا زبان، تہذیب، رسم ورواج وغیرہ کے باعث آپ کو انڈین رشتہ داروں سے میل جول یا لین دین میں کوئی مشکل پیدا ہوتی ہے؟ مریم صاحبہ نے کہا کہ میرے سب ہندی رشتہ دار میری بہت عزت افزائی کرتے ہیں میں سمجھتی ہوں کہ اگر کسی کنبے میں اسلامی اقدار مضبوط ہوں تو مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ خانگی الجھنیں انسان کی اپنی پیدا کردہ ہیں انسان کا اپنا شیطان ہی اسے ناچ نچا رہا ہوتا ہے۔ ساس بہو کی لڑائی سب جہالت اور خیانت کا نتیجہ ہے۔

فلپائن میں تعطیلات

میں فلپائن میں اپنے خاوند اور بچوں سمیت تین بار گئی اور صرف بچوں کے ہمراہ دو بار۔ میرے والدین بہنوں اور بھائیوں نے نہایت رواداری اور فراغ دلی کا ثبوت دیا۔ وہ میرے خاوند صاحب کے اخلاق سے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ جب ہم پہلی بار گئے تو ہم نے واضح کر دیا کہ ہم فلاں فلاں چیزیں نہیں کھا سکتے وہ زندہ مرغ لائے اور میرے خاوند نے انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ اس طرح انہوں نے ہماری مرضی کے مطابق ہماری خاطر مدارت کی۔

جب میں صرف بچوں کے ساتھ گئی تو میرے والد صاحب کہنے لگے ہم مرغوں کو تمہارے خاوند کے طریقے پر کاٹتے ہیں۔ میں نے کہا اس پر کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے انہوں نے کہا جب ہم کاٹیں تو پڑھو جو پڑھنا چاہتی ہو۔ میری مزید تسلی کے لئے میرے بھائی بول اٹھے ہم مرغے کی آدھی گرن کاٹنے کے بعد اسے پھینک دیں گے جس طرح تمہارے خاوند نے پھینکا تھا۔ تاکہ حرکت سے اس کا تقریباً سارا خون خارج ہو جائے۔ میں نے ان کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہاں قیام کے دوران ڈبوں میں بند مچھلی اور ترکاریوں سے گزارہ کیا۔

میرے والد صاحب نہایت فہیم، صاحب علم، وسیع القلب اور نرم دل انسان اور ایک بہت

بڑے چرچ لیڈر بھی تھے۔ انہوں نے ایک بار بیماری کی حالت میں مجھے ذاتی طور پر کہا کہ میں بھی عیسیٰ علیہ اسلام کے متعلق اپنے عقیدہ کے بارے میں الجھن کا شکار ہو گیا ہوں اس کے بعد وہ عنقریب ہی فوت ہو گئے۔

محنتی اور علم دوست

مریم صاحبہ کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ چند سال پہلے انہیں قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ ملا جس میں عربی کے ہر لفظ کا انگریزی میں ترجمہ ہے اور پھر پوری آیت کریمہ کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر منہاج صاحب نے مریم صاحبہ سے کہا کہ میں یہ ترجمہ تمہارے لیے خریدنا چاہتا ہوں، مریم صاحبہ بولیں کہ میں قرآن پاک کا یہ نسخہ ادھار رکھ لیتی ہوں اور اس کے ہر لفظ کا ترجمہ خود اپنے ہاتھ سے لکھنا چاہتی ہوں۔ اس طرح وہ بڑھاپے میں بھی اس پروجیکٹ پر تقریباً ایک سال سے کام کر رہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ کام جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوچئے کہ روائتی مسلمان اکثر فخر سے کہتا ہے کہ میں نے رمضان میں قرآن پاک تین بار ختم کر لیا ہے لیکن ایک سورت یا ایک پارہ کے بھی معنی نہیں پڑھتا جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ لوگ قرآن پاک میں تدبر (غور و فکر) کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مریم صاحبہ کی طرح قرآن پاک پڑھنے، معانی سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین

ان سچی کہانیوں کے بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ روائتی مسلمان اپنی ضد اور دیرینہ روش بدلے اور اپنی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کر سکے۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے خوب فرمایا:

درسِ قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
چاٹ لیں تم نے کتاب فلسفہ وانگلش کی
ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا

قابل فخر محلے دار

مجھے یہ فخر سے کہنا پڑتا ہے کہ مدینہ منورہ کے مقدس شہر میں ہم ڈاکٹر منہاج صاحب کے محلے دار ہیں۔ اور تقریباً ہر روز کم از کم فجر کی نماز میں مسجد نبوی میں ہماری ملاقات ہو جاتی ہے۔ جبکہ مریم صاحبہ اور میری اہلیہ ڈاکٹر صوفیہ صاحبہ بھی مل کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر منہاج صاحب کا یہ معمول ہے کہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد سنت کے مطابق تقریباً ہر ہفتہ مسجد قبا تشریف لے جاتے ہیں اور اشراق (ضحیٰ) کے بعد گھر لوٹتے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس مثالی گھرانے کی طرح بنا دے کیونکہ قدرت کا نظام ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

اذان کے بعد دعا کا ثواب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سنی اور یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ (اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ)

(ترجمہ) اے اللہ۔ اے اس مکمل دعوت اور قائم نماز کے پروردگار۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص قرب اور خاص فضیلت عطا فرما۔ اور اس مقامِ محمود (تعریف کئے ہوئے مقام) پر کھڑا فرما جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

تو قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔ (بخاری)

نوٹ: حدیث شریف میں قوسین کے درمیان والے الفاظ امام بیہقی کی روایت سے ہیں اور اس کی سند جید ہے۔

ڈاکٹر فاطمہ بندو (Dr. Fatima Bindo)

ایک ہندو لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کا اسلام کی طرف سفر

یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہندوستان ہر شعبے میں دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اور اس کی تہذیب وتمدن ہی دلکش ہے۔ لیکن ہر تہذیب کی کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سمجھ بوجھ اور مطالعہ اور موازنہ کے بعد بھی اپنا ہندو مذہب بدلے تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور اس شخص کو سرعام تشدد وظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب فراست لوگ بھی لمحہ بھر ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ رواداری کو خیر باد کہہ کر ظلم وتشدد میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اور ہر انسان کے ذاتی حقوق کا ذرا پاس نہیں کرتے۔ یہ سلسلہ نسلاً بنسلاً چلتا آرہا ہے۔ اس بات کی ایک ہندو لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے قبول اسلام سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ مجھے ان لیڈی ڈاکٹر صاحبہ سے مدینہ منورہ میں ۲۰۰۹ء میں حج کے دوران ملنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنی کہانی یوں بیان فرمائی۔

میرا بچپن

میں ۱۹۷۳ء میں دہلی شہر میں ایک راجپوت گھر میں پیدا ہوئی۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم آریز (ARYANS) کے اسکول میں حاصل کی ہندوؤں کا یہ فرقہ بتوں کی پوجا نہیں کرتا۔ یہ لوگ منتر (Shlokaas) یا مذہبی گیت گاتے ہیں۔ یہ فرقہ ہندو مذہبی کتاب ویدا (Vedas) پر یقین رکھتے ہیں۔ میں نے بھی ویدا کے کئی منتر زبانی یاد کئے۔ اس اسکول میں میری قریب ترین دوست کا نام نیّر جہاں Nayyar Jahan تھا۔ ہم دونوں کھیلوں کے پیریڈ کے دوران کلاس سے

غائب ہو جاتیں اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر باہمی بات چیت کرتیں۔ مثلاً نیّر جہاں نے اس دوران مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہانی سنائی۔ کہ وہ کس طرح اپنے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ پانچویں جماعت کے بعد میں اس اسکول سے ایک دوسرے اسکول چلی گئی۔ ان اسلامی کہانیوں کو سننے کے بعد بھی مجھے اسلام سے کوئی خاص رغبت (دلچسپی) پیدا نہ ہوئی۔ گو ان کہانیوں نے میرے دماغ میں کچھ اسلامی نقوش ثبت کر دیئے۔

ایک معصوم بچی

جب میں چھ سال کی تھی تو میں اپنی دادی جان کے پاس مظفر نگر شہر (یو پی) میں جایا کرتی تھی۔ اس علاقہ میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ میں اکثر قریبی مساجد سے اذان کی آواز سنتی۔ یہ مجھے اتنی بھلی لگتی کہ میں بھی موذن کے بعد اذان کے الفاظ کو اونچی آواز سے دہراتی۔ اس پر میری دادی جان بہت خفا ہوتیں اور بار بار مجھے چپ رہنے کو کہتیں۔ لیکن یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔ میں پھر بھی اذان کے الفاظ کو بلند آواز سے دہراتی رہتی۔

اس سے صاف واضح ہے کہ ہر معصوم بچہ پیدائشی طور پر مسلمان ہوتا ہے۔ بعدازاں اس کے والدین اور اس کا ماحول اسے ہندو یا عیسائی یا یہودی بنا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں میں یہ بھی دیکھتی کہ اکثر بچے بغل میں قرآن دبائے روزانہ مسجد کو جاتے ہیں۔ مجھے یہ منظر بھی اچھا لگتا اور میں چاہتی تھی کہ کاش میں بھی ایسا کروں۔ میرا خیال تھا کہ ہر مسجد کے اندر کوئی قبر ہے۔ جس کی یہ پوجا کرتے ہیں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ امام صاحب کے مسجد سے جانے کے بعد میں بھاگ کر مسجد کے اندر چلی گئی اور میں نے ہر طرف بہت غور وخوض سے دیکھا۔ لیکن مجھے کوئی قبر نظر نہ آئی۔

بتوں کی پوجا پاٹ

جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ میں ایک راجپوت گھر میں پیدا ہوئی اور ہم ہندو مذہب پر نہایت اخلاص اور باقاعدگی سے کاربند تھے۔ ہمارے گھر میں ایک خاص کمرے میں تقریباً بیس بت تھے۔ ہم نے یہ بت بازار سے خریدے تھے۔ ہم ایک روشنی کو ہاتھ میں لئے ان بتوں کی

پوجا کرتے اور وقتاً فوقتاً لوگوں کے لکھے ہوئے مذہبی گیت گاتے گو میرے سب بہن بھائی نہایت تعلیم یافتہ تھے۔لیکن اس گھر میں مجھے سب سے مقدس سمجھا جاتا تھا۔اور بتوں کی پوجا پاٹ میں مجھے ابتدا کرنے کو کہا جاتا۔ایک دن میری بہن نے سب بتوں کی پوجا کی سوائے ایک کے۔ میں نے اسے کہا اس بت کی بھی پوجا کرو۔ ورنہ یہ رات کو تمہارے خواب میں تجھے تنگ کرے گا۔اس نے میری ہدایت پر جھٹ پٹ عمل کیا۔

میری فیملی پوجا پاٹ کے لئے مندر شاذ و ناز ہی جاتی۔ کیونکہ میرے والدین کا خیال تھا کہ مندر میں پوجا پاٹ کے طریقہ کار میں اخلاص کم ہے اور وہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اخلاط (intermixing) بہت زیادہ ہے۔ میری فیملی ہندو مذہب کے دیگر اصولوں پر بھی پوری طرح کار بند تھی۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان ہمارے کپڑوں کو چھوئے تو ہم وہ کپڑے گنگا کے پانی میں دھوئے بغیر نہیں پہن سکتے۔

میرے والد صاحب انڈین آرمی میں بحیثیت آفیسر کام کر رہے تھے۔ اور ہماری والدہ صاحبہ کی تعلیم بارہویں جماعت تک تھی میں ایک متوسط درجے کی فیملی سے تھی اور ہم والدین کی دل وجان سے عزت وقدر کرتے اور ان کی ہر طرح سے تابعداری کرتے۔

اسلام کی حقیقت

نویں جماعت کے دوران میں گورنمنٹ اینڈریو گنج (Andrew Ganj) اسکول دہلی کی طالبعلم تھی۔ میری قریب ترین دوست کا نام شبانہ ترنم تھا۔ جو کہ ایک مسلم لڑکی تھی۔ میں اس کی عادات واطوار اور کردار سے بے حد متاثر تھی۔لیکن اس سے بھی میرا رجحان اسلام کی طرف نہ ہوا۔ کیونکہ میں سمجھتی تھی۔ کہ یہ خواص شبانہ کے ذاتی ہیں۔ نہ کہ اسلامی مذہب کے۔ جب میں اور بڑی ہوئی تو میں کھلم کھلا مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتی۔ جو کہ میرے ماحول، میڈیا، سیاسی اور والدین کی وجہ سے تھا۔ مثلاً میں اکثر نوجوان بچیوں کی طرح کہتی کہ مسلمان بہت دھوکہ باز ہیں۔ وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں لیکن ان کی ساری ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہیں جو کہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ پس اسلام بہت بُرا مذہب ہے جو کہ دھوکہ باز لوگ پیدا کرتا ہے۔ ہندوستان تو صرف

ہندوؤں کے لئے ہے اور ہمیں اس سے دلی محبت ہے۔ مسلمان ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لئے خواہ مخواہ بوجھ ہیں۔

کالج کی زندگی

کالج کی زندگی میں ہر شخص کو نئی آزادی اور وسیع قلبی ملتی ہے۔ میں نے کالج کے دو سال پرسکون مکمل کئے اور میرا گریڈ یا میرٹ بھی اچھا تھا۔ تیسرے سال کے دوران طلباء نے ملک بھر میں جلسے جلوس نکالے۔ کیونکہ منڈل کمیشن (Mandal Commistion) کے تحت کالجوں میں اقلیتوں کے لئے سیٹیں مقرر کر دی گئیں۔ یہ فساد اتنے بڑھے کہ سب کالج بند کر دیئے گئے۔ پس طلباء کے پاس فیشن میں ایک دوسرے سے سبقت لینے اور قہوہ خانوں میں دوستوں سے گپ بازی کرنے کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ میں ایک دن روسی کلچر مرکز (Russian Cultural Center) دہلی کے قہوہ خانہ میں میں ایک کشمیری دوست شکیل نامی سے ملی۔ میں نے اسے دوٹوک کہا۔ تم محب وطن نہیں ہو۔ اور اسلام بالکل خراب مذہب ہے۔ اگلے روز ایک کشمیری طالبعلم نے مجھے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ دیا۔ اور ایک ہفتہ بعد حضرت محمد ﷺ کی سوانح حیات پر ایک کتاب بھی بطور تحفہ دی۔ میں نے ان دونوں کتابوں کو گھر کی الماری میں رکھ دیا اور ان سے ایک لفظ بھی نہ پڑھا۔

اسلام کی ایک جھلک

ایک دن میں گھر میں فارغ بیٹھی تھی۔ میری دادی جان نے کہا کہ میرے پاؤں دباؤ۔ میں نے اپنے کام کو آسان اور دلچسپ بنانے کے لئے ساتھ ہی ایک کتاب پڑھنی شروع کی۔ میں حضرت محمد ﷺ کی سوانح حیات پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ جب حضرت محمد ﷺ ایک بوڑھی عورت کے گھر کے پاس سے گزرتے تو وہ ہر روز چھت سے ان پر نہایت گندہ کوڑا کرکٹ پھینکتی۔ ایک دن حضرت محمد ﷺ نے اس بوڑھی کو نہ پایا۔ اس کے محلہ داروں سے پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے، آپ ﷺ نے اس کے دروازے پر دستک دی، بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور کہنے لگی۔ کیا تم مجھ سے بدلہ لینے آئے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں، بلکہ تمہاری بیمار پرسی

کے لیے آیا ہوں۔ وہ بوڑھی عورت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت متاثرہ ہوئی اور فوراً اسلام لے آئی میں نے یہ کہانی دادی اماں کو سنائی۔ وہ جھٹ کہنے لگیں کہ وہ بہت اچھے آدمی تھے اور تم نے بہت اچھی کہانی سُنائی۔

اب مجھے ان کہانیوں میں مزہ آنے لگا اور میں ہر روز ایک نہ ایک کہانی ضرور پڑھتی۔ اس طرح میں نے کئی کہانیاں پڑھیں اور پھر کتاب کو الماری میں رکھ دیا۔ ایک نوجوان بچی کی حیثیت سے میں ہر روز نیا سے نیا فیشن کرتی۔ اور اب بھی میری دماغی کیفیت یہ تھی کہ مسلمان گندے لوگ ہیں۔ اور وہ بُرے لوگ ہیں۔ اور میں ان کو تہ دل سے نفرت کرتی تھی۔

ایکسچینج اسٹوڈنٹ پروگرام (Exchange Student Program)

میرے اچھے میرٹ (merit) کی وجہ سے مجھے میڈیکل کالج ماسکو (روس) میں ڈاکٹری پڑھنے کے لئے وظیفہ ملا۔ اس پروگرام میں ہم سات انڈین لڑکیاں تھیں۔ ہم نے پہلے سال روسی زبان سیکھی۔ روسی تہذیب وتمدن میں کئی اچھائیاں ہیں۔ مثلاً وہ بغیر کسی فیس کے آپ کو روسی زبان سکھاتے ہیں۔ تاکہ تم اپنی تعلیم کو مکمل کرسکو۔ روسی لوگ بہت ایماندار۔ مہمان نواز اور وسیع القلب ہیں اور دوسروں کو مدد کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی اخلاقی اقدار صفر ہیں۔ مثلاً ایک لڑکی اپنے دوست کو اپنے والدین کے گھر بھی لاسکتی ہے۔

اسلام کی مزید جھلکیاں

میڈیکل کالج کے ہوسٹل میں میرا دوسرے ملکوں کے طلباء سے میل جول ہوا۔ ان میں عربی طالبات بھی تھیں۔ میں ان کی تہذیبی اقدار سے بہت متاثر ہوئی۔ اور اس وجہ سے میرا رجحان اسلام کی طرف بڑھا۔ تیسرے سال کے دوران ہمیں نائیجیریا کے ایک طالبعلم عبداللہ ثانی نے اطلاع دی کہ ایک میٹنگ ہے۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم عورتیں حصہ لے سکتی ہیں۔ اس میٹنگ میں مسجد کے امام صاحب پردے کے پیچھے کھڑے ہوکر ایک لیکچر دیں گے۔ چونکہ میں عربی عورتوں سے متاثر تھی۔ اس لئے میں اس میٹنگ میں اور ایسی ہی بعد کی میٹنگز میں بھی شریک ہوتی رہی۔

اسی دوران شکیل صاحب بطور student exchange روس کے شہر تاشقند Tashkand میں آچکے تھے۔ میں نے ان سے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ اور کچھ اور اسلامی کتابیں حاصل کیں۔ وہ مجھے فون پر بھی اسلام کی دعوت دیتے رہتے۔

میری امی جان نے ہندو مذہب کی سب کتابیں میرے سامان میں رکھوا دی تھیں۔ اب میرے پڑھنے کی میز پر ہندو مذہبی کتابیں اور ساتھ قرآن کھلا پڑا رہتا۔ میں دونوں کو ہر روز پڑھتی۔ جب میں قرآن پڑھتی تو بے اختیار لگاتار روتی۔

میں نے ڈاکٹر صاحبہ سے پوچھا کہ رونے کی وجہ کیا تھی۔ آپ کہنے لگیں کہ جب میں قرآن میں پڑھتی کہ تم جہنم کی آگ میں پھینکے جاؤ گے اور تم جہنم کی آگ کا ایندھن بنو گے۔ تو میں بے اختیار رو پڑتی۔ کیونکہ یہ میرے دل و دماغ پر اثر کرتا۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک دن میں کالج کی ایک میٹنگ کے بعد ہوسٹل آرہی تھی۔ میں نے نہایت خوب صورت انڈین لباس اور کڑھائی والی پنجابی جوتی پہنی تھی۔ میرے بازؤں پر رنگ برنگی چوڑیاں تھیں۔ ایک بوڑھی عورت اپنی بلی کے ہمراہ سڑک کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے مجھے بلایا۔ اور میرا ہاتھ تھامے تھامے کہنے لگی۔ تم تو کتنی پیاری گڑیا لگتی ہو۔ مجھے ہندو لباس اور لوگوں سے محبت ہے۔ مجھے انڈین فلموں کے ہیرو بھی بہت پسند ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر تم میرے ساتھ میرے گھر رہنا شروع کر دو۔ میں بالکل اکیلی رہتی ہوں۔ میں نے اس صاحبہ سے یہ کہتے ہوئے معذرت کی۔ کہ اس طرح میری پڑھائی میں ہرج ہوگا۔ اس نے اصرار کیا کہ میں کم ازکم اس کے ساتھ ایک کپ چائے پیئوں۔ میں اس کے گھر گئی۔ یہ بوڑھی یہودی عورت اس گھر کی مالکہ تھی اور وہاں اکیلی رہتی تھی۔ وہ مجھ سے بہت پیار و محبت سے پیش آئی اور میری خوب مہمان نوازی کی۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس کے گھر میں نقل مکانی کر لی۔ کیونکہ ہوسٹل میں میوزک اور ڈانس وغیرہ کی وجہ سے بہت شور غل رہتا تھا۔ میں اپنی پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھنا چاہتی تھی۔

مالکہ مکان کے تاثرات

ہندی مذہبی کتابیں اور قرآن میرے پڑھائی کے میز پر کھلے پڑے رہتے اور میں انہیں روزانہ پڑھتی۔ مالکہ مکان مجھے کہنے لگی۔ جب بھی تم یہ کتاب (یعنی قرآن) پڑھتی ہو۔ تو زارو قطار روتی ہو۔ تمہیں اسے نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ یہ تمہیں روزانہ رلاتی ہے۔

وہ یہ بھی کہنے لگی کہ تم اپنی زندگی میں عشق محبت کو بھی جگہ دو اور اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ وقت گزارا کرو۔ میں نے اسے کہا کہ میں صرف اپنی پڑھائی پر توجہ رکھنا چاہتی ہوں اور اسی لئے یہاں نقل مکانی کی ہے۔

بالآخر نیا سال شروع ہوا۔ میری مالکہ مکان نے مجھے کہا کہ جین (Jean) پہن لو اور سر پر ٹوپی پہنو۔ وہ مجھے ماسکو کے پبلک اسکوائر میں لے گئی جہاں نیا سال دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ جب نیا سال شروع ہوا تو میری مالکہ مکان نے ایک نوجوان کو میرے ساتھ ڈانس کرنے کو کہا۔ میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا۔ مجھے خوش کرنے کے لئے وہ بوڑھی خود ہی اس نوجوان کے ساتھ ڈانس کرنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ میری مالکہ مکان میرے پورے قیام کے دوران میرے ساتھ بہت اچھی پیش آئی۔

قدرتی کشش

جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ میری شکیل صاحب سے روسی کلچرل سنٹر میں ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں قدرتی طور پر بلند قد باوقار اور پُرکشش ہیں۔ اور ایک دوسرے کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگے اور باہمی رابطہ قائم رکھا۔ حتیٰ کہ شکیل صاحب تاشقند پہنچ گئے۔ اور مجھے فون پر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ ماسکو میں تین سال کے قیام کے بعد میں اپنی ایک روسی گرل فرینڈ کے ہمراہ بذریعہ ریل تاشقند گئی۔ ہم تین دن اور تین راتیں تاشقند میں رہیں۔ شکیل صاحب نے مجھے شادی کرنے کی دعوت دی۔ میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ میں اپنے ہندو مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی۔ انہوں نے مجھے ایک نشاء (Nisha) نامی عورت سے ملنے کو کہا جو کہ مدراس سے تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد ایک شامی باشندے سے شادی کر چکی تھی۔

نشاء کے گھر میں بہت لمبی میٹنگ ہوئی۔ بالآخر نشاء نے مجھے کہا کہ تم ایک مسلمان سے شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کرلو ورنہ تمہارے والدین تمہاری شادی کسی ہندو سے کر دیں گے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں دونوں مذہبوں (اسلام اور ہندومت) پر قائم رہنا چاہتی ہوں۔ شکیل صاحب اس پر رضامند ہو گئے اور مجھے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔

شادی خانہ آبادی

ہم تاشقند کی بڑی مسجد کے امام صاحب کے پاس نکاح کے لئے گئے۔ انہوں نے ایک ہندو اور مسلم کے درمیان نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ اب شکیل صاحب نے مجھے کہا کہ اس شادی کے لئے ضروری ہے کہ میں پہلے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کروں۔ میں مان گئی۔ پھر ہم تاشقند کی ایک چھوٹی مسجد کے امام صاحب کے پاس گئے۔ امام صاحب نے مجھے کلمہ شریف پڑھایا۔ میں یہ کلمہ عربی زبان میں پہلے ہی جانتی تھی لیکن معانی معلوم نہ تھے۔ اس طرح میں نے اللہ کے فضل سے درجنوں طلباء کی موجودگی میں اسلام قبول کرلیا۔ الحمد للہ

شادی کا خطبہ

یہ امام صاحب بہت سادہ۔ متقی اور مخلص شخص تھے۔ وہ کہنے لگے۔ اب آپ ہماری اسلامی بہن بن گئی ہیں۔ آپ نے ابھی ابھی کلمہ شریف پڑھا ہے۔ جس میں صرف ایک خدا کی عبادت کا عہد کیا۔ اس لئے آئندہ آپ کو کسی دوسرے بت کو پوجا نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آپ نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کیا ہے۔ اس سے نہ صرف حاضرین مسجد خوش ہیں بلکہ آسمانوں میں بھی تمہاری وجہ سے عید منائی جارہی ہے۔ اس عید میں فرشتے ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں۔ کہ اس تعلیم یافتہ عورت نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کیا ہے۔ اور آسمانوں میں ہر طرف تمہارا چرچا ہے۔ امام صاحب کی اس تقریر نے میرے دل پر گہرا اثر کیا۔ اور زندگی میں پہلی بار میں نے اسلام کو دل وجان سے قبول کرلیا۔

جب لیڈی ڈاکٹر صاحبہ مجھے یہ کہانی سنا رہی تھیں تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک رہے تھے۔ کیونکہ یہ سنہری لمحات زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ تھا۔ جس نے ان کی زندگی کا

رخ ہی بدل دیا۔ وہ ساتھ ہی ساتھ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ لیکن اللہ کے شکر کے احساس سے رونا نہ تھمتا تھا۔

نکاح نامہ

امام صاحب نے شکیل صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح نامہ لکھنے سے پہلے آپ کو اپنی زوجہ کے لئے مہر طے کرنا ہوگا۔ شکیل صاحب نے کہا میں ایک طالبعلم ہوں۔ میرے پاس دو سو ڈالر ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ یہ ناکافی ہیں۔ شکیل صاحب نے دوستوں سے پیسے ادھار لے کر مہر کی مقدار بڑھائی۔ پھر بھی امام صاحب نے کہا۔ یہ ابھی بھی ناکافی ہے۔ آپ کی زوجہ ایک لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ ان کا سوسائٹی میں ایک اچھا مقام ہے۔ آپ کو ان کی حیثیت کے مطابق مہر ادا کرنا چاہئے۔ شکیل صاحب نے کہا کہ میں اپنے رشتہ داروں سے ادھار لے کر ان کو کئی ہزار ڈالر مہر ادا کرنے پر رضامند ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ کہنے لگیں کہ میں حیران ہوگئی کہ اسلام عورت کے حقوق کا کیسے تحفظ کرتا ہے۔ اس سے میرے دل میں اسلام کی قدرو منزلت اور بڑھ گئی۔ شکیل صاحب نے امام صاحب سے کہا کہ نکاح نامہ میں کئی ہزار ڈالر مہر لکھ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ادا کروں گا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ لکھنے کی ضرورت نہیں جو ہم کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو سن رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ گواہی کے لئے کافی ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کہنے لگیں کہ اس سے میرے ایمان کو اور تقویت پہنچی۔ بالآخر امام صاحب نے ہمارا نکاح نامہ لکھ دیا۔ اور پوری مسجد میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چند دن کے بعد میں اپنی روسی گرل فرینڈ کے ساتھ واپس ماسکو آ گئی۔

اسلامی تعلیم وتربیت

ماسکو میں عبداللہ ثانی صاحب طلباء کی مسجد کے امام تھے۔ وہ نہایت ہی متقی اور مخلص شخص تھے۔ وہ مردوں اور عورتوں کو تعلیم وتربیت دیتے اور ہمارے ہر طرح کے سوالوں کا نہایت واضح اور مدلل جواب دیتے۔ میں نے ان سے بڑھ کر متقی شخص اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ پس میری تعلیم وتربیت بہت سرعت اور آسانی سے ہوئی کیونکہ اس کے لئے مسجد کا ماحول بہت سازگار تھا۔ اس دوران شکیل صاحب نے اپنی تعلیم مکمل کرلی اور میرے پاس ماسکو آ گئے۔ بفضل تعالیٰ انہیں

نیچرز کمپنی آف برٹین (Netures Company of Britain) میں بطور انجینئر کام بھی مل گیا۔ ہم دونوں شادی شدہ طلباء کی بلڈنگ میں منتقل ہو گئے۔

طالبعلمی کا زمانہ

میں طالبعلمی کے زمانے کی بہت قدر کرتی ہوں۔ کیونکہ ہر ملک اور ہر زمانے کے اکثر طلباء بنیادی طور پر ایماندار اور وسیع القلب ہوتے ہیں۔ اور سچائی کے متلاشی رہتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی بات نہایت صبر اور تحمل سے سنتے ہیں۔ اگر دوسرے کے خیالات سے اتفاق نہ بھی ہو تو رواداری سے پیش آتے ہیں۔ جب کہ عام سوسائٹی میں یہ معاملہ برعکس ہے۔ جس کی وجہ سے سوسائٹی میں اکثر دنگا وفساد برپا رہتا ہے۔ میں ان سب طلباء کی شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے میری زندگی سنوری۔ دراصل میں جو کچھ بھی ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم اور ان طلباء کی وجہ سے ہوں۔ اس لئے میں ہر ملک اور ہر زمانے کے طلباء کو سلام پیش کرتی ہوں۔ اور دعا گو ہوں کہ وہ اسی طرح حق وسچائی کے متلاشی رہیں۔

والدین کا ردعمل

میں نے بہ ذریعہ ٹیلیفون اپنی امی جان کو قبول اسلام اور شادی کے بارے میں بتایا۔ وہ کہنے لگیں۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور تم اپنا دماغ کھو بیٹھی ہو یاد رکھو کہ تم دونوں امریکہ یا آسٹریلیا بھی گئے تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ چونکہ تم سے زندگی کی سب سے بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ تم اس شہر کی کسی ریل گاڑی کے سامنے بیٹھ کر خودکشی کرلو۔ تاکہ میری عزت بچ جائے۔ میں لوگوں سے کہہ دوں گی کہ میری بیٹی کا انتقال ہو چکا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ مجھے زندگی بھر اپنا چہرہ مت دکھانا۔

یہ سب باتیں سن کر میرے دل ودماغ کو بہت ٹھیس پہنچی اور مجھے ڈراؤنے خواب آنے لگے۔ اس ذہنی کوفت کی وجہ سے میری پڑھائی بھی بہت متاثر ہوئی۔

قانونی مشکلات

ہم سنتے رہتے تھے کہ Engagement is ok but marriage is a

یعنی منگنی تو بھلی چیز ہے لیکن شادی دردِسر سے کم نہیں۔ ہم دونوں انڈین ایمبیسی headache
ماسکو گئے۔ تا کہ ہماری شادی کی انڈین قوانین کے مطابق بھی تصدیق ہو جائے۔ انہوں نے انکار
کر دیا۔ کسی مخلص دوست نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر تمہارا بچہ ہو تو انڈین ایمبیسی انکار نہیں کر سکتی۔
اللہ تعالیٰ نے ہمیں ماسکو میں ہی پہلا بچہ عطا کر دیا۔ ہم نے پہلے بچے کی پیدائش کا روسی قوانین
کے مطابق اندراج کرا دیا۔ اب روسی گورنمنٹ نے انڈین ایمبیسی کو لکھا کہ یہ شادی اور بچہ روسی
قوانین کے عین مطابق ہیں۔ پس انڈین ایمبیسی کو ان دو حقائق کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بہر حال
بہت دوڑ دھوپ کے بعد انڈین ایمبیسی نے ہمیں اور ہمارے بچے کو انڈیا کا ویزا دے دیا۔ میری
ڈاکٹری کی تعلیم بھی مکمل ہو گئی۔ اور ہم دونوں اپنے پیارے ملک واپس آ گئے۔

فیملی کے لیے باعث صد برکت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دعوت تبلیغ کے لئے جو پہلا حکم ملا وہ یہ تھا۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو یاددہانی کرائیے۔ (الشعرا: ۲۱۴)

درحقیقت یہ ہی حکم سب انبیاء کرامؑ کو ملا تھا۔ کیونکہ اس میں بہت حکمت مخفی ہے۔ میں نے
بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں سب سے پہلے اپنے خاوند کو صلوٰۃ و صوم کی پابندی کی تلقین
کی۔ اور وہ بفضل تعالیٰ اور بہتر مسلمان بن گئے اور باجماعت نماز کا اور زیادہ اہتمام کرنے لگے۔
ماسکو میں ہمارا پڑوسی ہر صبح بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا جو کہ ہمیں بھی سنائی دیتی۔ میں
نے اپنے خاوند سے اصرار کیا کہ یہ بھی ایسی ہی اچھی تلاوت سیکھنے کی کوشش کریں۔ بتدریج ہم
دونوں بہتر مسلمان بن گئے۔

جب ہم انڈیا آئے تو میں نے دیکھا کہ میرے سسرال والے بہت دولت مند تھے۔
لیکن اسلامی احکام کی ادائیگی میں بہت کمزور تھے۔ اکثر امیر گھرانوں کا یہی حال تھا۔ یہاں تک
کہ گھروں میں شراب نوشی تک ہوتی۔ میں نے نہایت جرأت اور سنجیدگی سے انہیں اسلامی اقدار
کی یاد دہانی کرائی۔

میرے اچھے میرٹ (merit) کی وجہ سے مجھے لوکل ہسپتال میں کام مل گیا اور میں نے اپنی تنخواہ سے پیسے بچانے شروع کئے۔ اگلے ہی سال میں نے میرے خاوند اور میری ساس صاحبہ کو اپنے بچے ہوئے پیسوں سے حج کرایا۔ میرے سسرال والے کہنے لگے کہ ہمیں حج کی کبھی سوچ ہی نہیں آئی۔ کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگلے سال میرے رشتہ داروں میں سے کئی اور کو بھی اللہ تعالیٰ نے حج کی توفیق عطا کی۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

جب ہم حج سے واپس آئے تو اپنے ساتھ زم زم کا پانی لائے۔ میرے ایک نہایت قریبی رشتہ دار نے زم زم مانگا۔ میں نے انہیں کہا کہ زم زم تب دوں گی اگر آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ شراب نوشی بند کر دیں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا اور زم زم نوش فرمایا۔ بفضل تعالیٰ انہوں نے شراب نوشی چھوڑ دی۔ میں اللہ کی شکرگزار ہوں جس نے مجھے اس تبدیلی کا ذریعہ بنایا۔ اس پورے کنبہ میں صرف میں حجاب پہنتی ہوں۔ لیکن اب بتدریج دوسروں کا بھی اس طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔

انڈین سوسائٹی کے لئے باعث رحمت

میں گھر سے باہر اور ہسپتال میں کام کے دوران اسلامی حجاب میں ملبوس رہتی ہوں۔ میرے ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹر صاحب نے مجھے کہا کہ اس لباس کے باعث تمہارے لئے ان دیکھے مسائل پیدا ہوں گے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ میرے لئے اور ہسپتال کے ماحول کے لئے باعث رحمت ہوگا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے ہر کوئی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور میری اس عزت افزائی کی وجہ سے کئی عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ان نئے مسلمانوں کو اپنے گھر میں تعلیم دیتی ہوں۔ اور میں نے ان میں سے بعض کی شادیوں کا انتظام بھی کیا ہے۔ میرے گھر میں ہفتہ وار تعلیمی اجتماع میں حاضرین کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔

اسلامی کتب

ہمارے حج کے دوران ہمیں آپ (امتیاز احمد) کی چند اسلامی کتب دی گئیں۔ آپ کی

کتابوں سے متاثر ہو کر آج ملنے آئی ہوں۔

ایک دن میرے خاوند مسجد نبوی شریف میں بیٹھے ان میں سے ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایک نائیجیرین بھائی نے میرے خاوند سے کہا۔ کیا میں یہ کتاب دیکھ سکتا ہوں جسے آپ اتنے انہماک سے پڑھ رہے ہیں۔ وہ صاحب تھوڑی دیر کتاب پڑھنے کے بعد کہنے لگے۔ مہربانی کر کے یہ کتاب مجھے عنایت کر دیں میں اور میری فیملی آپ کو بہت دعائیں دے گی۔ شکیل صاحب نے وہ کتاب انہیں دے دی اور باقی کتابیں ہم انڈیا لے آئے۔ اب گھر میں ہمارا یہ معمول ہے کہ ہمارا ایک بیٹا اس کتاب کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور باقی فیملی سنتی ہے۔ جب ہم نئے مسلمانوں کی کہانیوں والی کتاب سنتے ہیں تو اکثر روتے ہیں۔ یہ کہانیاں ہم سب کے لئے بہت سبق آموز ہیں۔

ایک انمول موقع

مجھے گورنمنٹ آف انڈیا نے ۲۰۰۹ کے حج کے دوران بطور ڈاکٹر مکہ مکرمہ بھیجا ہے۔ میں یہاں تقریباً دو ماہ سے مقیم ہوں۔ اور میں نے کئی عمرے کئے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف ممالک کے مسلمانوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے اس سال حاجیوں کی خدمت کی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بار بار یہاں لائیں۔ اور ایسی ہی خدمت کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین ثم آمین۔

نوٹ:

میں نے یہ کہانی ۲۰۰۹ء میں لکھی اب (۲۰۱۰ء) میں مجھے اجازت دی گئی ہے کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا نام عام پبلک کو بتا دوں۔ اس لئے اب عنوان میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا نام فاطمہ بندو صاحبہ لکھ دیا ہے۔

آپ نے گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے پچھلے دو سال مکہ مکرمہ میں انڈین حجاج کی خدمت سرانجام دی۔ آپکی غیر معمولی کارکردگی دیکھ کر گورنمنٹ آف انڈین نے آپ کو ایک اعلیٰ ایوارڈ دیا۔

اس سال (۲۰۱۱ء) کے حج کے دوران آپ کو مدینہ منورہ میں انڈین میڈیکل سروسز (Indian Medical Services) کا انچارج بنایا گیا ہے۔ آپ ایک بڑے ہسپتال اور چھ میڈیکل کلینکس (Medical Clinic) کی ڈائریکٹرس ہیں اور تقریباً دوسو افراد آپ کے ماتحت کام کررہے ہیں۔ انڈین میڈیکل سروسز کی کارکردگی قابل ستائش ہے کیونکہ وہ ہر سال نہایت تجربہ کار اور مخلص عملہ بھیجتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر فاطمہ صاحبہ پہلی لیڈی ڈاکٹر ہیں جن کو مدینہ منورہ میں انڈین میڈیکل سروسز کی ڈائریکٹرس بنایا گیا ہے۔ یقیناً یہ ڈاکٹر صاحبہ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔

آپ سے میٹنگ کے دوران پتہ چلا کہ آپ ہر رات اپنے عملے کی عورتوں کو اجتماعی طور پر اسلامی تعلیم دیتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کے قول کے مطابق اکثر پیدائشی اور روائتی مسلمان اسلامی تعلیم وتربیت میں بہت کمزور ہیں، پس میں ہر جگہ اسلامی تعلیم وتربیت کو فروغ دینا چاہتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر فاطمہ بندو صاحبہ اور ان سب کو جو حجاج کی دن رات تن من دھن سے خدمت کرتے ہیں۔ اجر عظیم عطا فرمادیں۔ آمین

ایک نئی مسلمہ کا اسلامی تعلیمات کے لئے ذوق وشوق

آج ۲۹ جنوری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ مجھے (امتیاز احمد کو) ایک نوجوان تعلیم یافتہ نئی مسلمہ کی ای میل موصول ہوئی جو کہ ہندو مذہب کو خیرباد کہہ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ میں ان صاحبہ کے اسلامی انداز سے بہت متاثر ہوا۔ اور دعا گو ہوں کہ میری طرح دوسرے پیدائشی اور روائتی مسلمان ان اسلامی اقتدار کو پہچانیں اور اپنائیں۔ ای میل حسب ذیل ہے:

ایک مناسب دلہن کی تلاش

یہ ایک نہایت حسین اور تعلیم یافتہ نوجوان کی کہانی ہے۔ اس کے والد اس کی شادی خانہ آبادی کے لئے ہر وقت مصر رہتے۔ ان کے پاس اپنے بیٹے کے لئے کئی پیغامات آئے لیکن بیٹے نے ان سب پیغامات کو ٹھکرا دیا۔ والدین یہ سب صورت حال دیکھ کر تنگ آ گئے اور سوچنے لگے غالباً اس کے دل میں کوئی اور لڑکی بستی ہے۔

دیکھنے میں یہ آیا کہ جب بھی اس کے والدین لڑکی والوں کے گھر سے باہر نکلتے تو ان کا بیٹا بس اتنا کہتا: 'یہ لڑکی میرے لئے مناسب نہیں' دراصل یہ نوجوان مذہبی اور دین پر کاربند بیوی کی تلاش میں تھا۔ اس نوجوان کی ماں نے اپنے بیٹے کی ایک ایسی لڑکی سے ملاقات کرائی جو کہ ظاہراً مذہبی رنگ میں رنگی تھی اور دین پر کاربند نظر آتی تھی۔ اس گھر میں یہ لڑکا اور لڑکی ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرنے لگے تا کہ ایک دوسرے کی سوچ وفکر سے متعارف ہو سکیں۔ اس شریف لڑکے نے لڑکی سے کہا کہ آپ کے ذہن میں جو بھی سوال ہیں بلا جھجک پوچھ لیں۔ لڑکی نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لڑکے کا زندگی کا تصور، تعلیم، دوست واحباب، مشغلے، ذاتی تجربات، جوتوں کا سائز، غرضیکہ ہر طرح کے سوال کئے۔ ایسے ہی ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت گزر گیا۔ لڑکے نے ہر سوال کا جواب دیا۔ بالآخر لڑکی نے لڑکے سے کہا کہ کیا آپ کے ذہن میں

میرے بارے میں کوئی سوال ہے؟ نوجوان نے کہا صرف تین سوال ہیں۔لڑکی نے کہا پوچھئے۔

نوجوان نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ لڑکی نے کہا یہ تو بہت آسان سوال ہے۔ مجھے سب سے زیادہ محبت اپنی ماں سے ہے۔نوجوان ذرا مسکرایا اور پھر دوسرا سوال کیا: آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ نے قرآن پاک نہایت دلجمعی سے پڑھا ہے۔

بتائیے کہ آپ کتنی سورتوں کے معنی کو جانتی ہیں۔ یہ سن کرلڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور قدرے گھبرا کر کہنے لگی کہ مجھے کسی سورت کے معانی نہیں آتے۔ کیونکہ میں اب تک بہت مصروف رہی ہوں، انشاء اللہ جلد ہی معانی پڑھنے شروع کر دوں گی۔ پھر نوجوان نے تیسرا سوال کیا۔ مجھے کئی رشتے آئے جن کی لڑکیاں تم سے کہیں زیادہ خوبصورت تھیں بھلا آپ ہی بتائیے کہ مجھے آپ سے کیوں شادی کرنی چاہیے۔ یہ سنتے ہی لڑکی آپے سے باہر ہوگئی اور غصے کے باعث گھر میں طوفان برپا کر دیا۔ اپنے والدین سے کہنے لگی کہ میں اس لڑکے سے شادی نہیں کرونگی۔ اس نے میری شکل وشباہت اور میری عقل کا مذاق اڑایا ہے۔ پس نوجوان کے والدین اس گھر سے بھی مایوس ہوکر نکلے اور غصے سے اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ تم نے اس لڑکی کو کیوں ناراض کیا۔ یہ لوگ بہت مہذب اور مذہبی تھے۔ اسی بات کی تو نے رٹ لگا رکھی تھی۔ بتاؤ تم نے اس لڑکی سے کیا کہا۔ نوجوان نے اپنے والدین سے کہا کہ سب سے پہلے میں نے اس لڑکی سے پوچھا۔ تمہیں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے وہ کہنے لگی اپنی امّی سے،نوجوان کے والدین نے کہا اس میں بری بات کیا ہے۔ نوجوان نے کہا کہ کوئی شخص صحیح مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت نہ کرے۔ اگر ایک عورت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرتی ہے تو وہ مجھ سے بھی محبت کرے گی۔ مجھے عزت کی نظر سے دیکھے گی اور میری وفادار رہے گی کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا ڈر ہے اس صورت میں ہم دونوں ایک محبت بھری زندگی بسر کر سکتے ہیں جو کہ ظاہری خوبصورتی کی محبت سے افضل وبالاتر ہے۔

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے نوجوان نے والدین سے کہا کہ میں نے لڑکی سے دوسرا سوال یہ کیا کہ تم نے قرآن پاک کا مطالعہ خوب کیا ہے۔ بتاؤ کس کس سورت کے معانی جانتی ہو، لڑکی نے جواب دیا کہ میں کسی سورت کے معانی نہیں پڑھ سکی کیونکہ میں اب تک بہت مصروف رہی ہوں، نوجوان نے والدین سے کہا کہ مجھے اس وقت امام شافعی کا قول یاد آیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہر شخص مردہ ہے سوائے اس کے جس کے پاس علم ہو(یعنی علم النافع) اور سب عالمِ نیند میں مدہوش ہیں سوائے ان کے جنہوں نے نیک عمل کیے۔ اور ہر نیک عمل کرنے والا صریح دھوکے میں ہے سوائے اس کے جس نے خلوص دل سے نیک عمل کیے اور یہ کہ مخلص لوگ وہ ہیں جو ہر وقت دوسروں کی اصلاح کے لئے فکر مند رہتے ہیں۔ ابّا جان آپ ہی سوچئے جب اس لڑکی کو بیس سال کی زندگی میں علم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں ملا، وہ اپنے فرائض کیسے پہچان سکتی ہے، اور میرے بچوں کو تعلیم و تربیت سے کیسے مزین کرسکتی ہے؟ درحقیقت عورت ایک مکمل مدرسہ ہی نہیں بلکہ ٹیچر بھی ہے۔ اور اگلی نسلیں اسی کی غیر معمولی صلاحیتوں سے پروان چڑھتی ہیں۔ لیکن جس عورت کو اللہ کا دیا ہوا علم سیکھنے کے لئے وقت نہیں ملا وہ خاوند اور اولاد کے لئے وقت کہاں سے نکالے گی؟ اس نوجوان نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نے اس لڑکی سے تیسرا سوال یہ کیا کہ جب تم سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہیں تو بھلا تم ہی بتاؤ کہ مجھے تم سے شادی کیوں کرنی چاہئے؟ یہ سنتے ہی لڑکی چلّا اٹھی اور گھر میں طوفان مچا دیا۔ یہ سن کر والدین نے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ تم نے بہت بُرا کہا۔ ہم لڑکی کے والدین کے پاس معافی مانگنے جارہے ہیں نوجوان نے والدین سے برجستہ کہا۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا کہا تا کہ اس کا امتحان لوں کہ کیا وہ اپنے غصے پر قابو پاسکتی ہے یا نہیں؟

کسی شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ ایک آدمی متقی کیسے بن سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، غصے کو قابو رکھو، غصے کو قابو رکھو، غصے کو قابو رکھو، کیونکہ غصہ شیطانی عمل ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات تین دفعہ دہرائی۔ نوجوان نے والدین سے عرض کی کہ آپ ہی بتایئے اگر ایک عورت ایک اجنبی کے سامنے اپنے غصے کو قابو میں نہیں رکھ سکتی تو وہ اپنے خاوند کے سامنے

غصے کو کیسے قابو کرے گی؟

اس کہانی سے ہم نے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں کہ شادی خانہ آبادی کے لئے مندرجہ ذیل امور کوملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے:

۱۔ علم کوشکل وشباہت پر ترجیح دیں۔

۲۔ عمل کوقول پر ترجیح دیں۔

۳۔ معافی کو غصے پر ترجیح دیں۔

۴۔ روحانی محبت کو دنیاوی شہوت بازی پر ترجیح دیں۔

۵۔ باہمی تعاون کے لئے لچک اور سمجھ بوجھ ہونی ضروری ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ اللہ کے ڈر کے بغیر ہمارے ہفتہ کچھ یوں گزرے گا:

Sinday

Mourndey

Tearsday

Wasteday

Thirstday

Fightday

Shatterday

قرآنی ارشادات

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے، جو ایسی کتاب ہے کہ ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی جاتی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو اللہ چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت کرتا ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔ (الزمر: ۲۳)

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَـقِّ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَـقِّ ۙ وَنَطۡمَعُ اَنۡ يُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور جب اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، (یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں، اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں، اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے، سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کے صلہ میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ

ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور نیکو کاروں کی یہی جزا ہے۔ (المائدہ: ۸۳۔۸۵)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸

ترجمہ: اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرما دے گا۔ اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ (الحدید: ۲۸)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

ترجمہ: اُس دن (قیامت کے دن) اللہ رسوا نہ کرے گا نبی ﷺ کو، اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، اور وہ دعا کرتے ہوں گے، اے ہمارے ربّ ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے، اور ہماری مغفرت فرما دے، بیشک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (سوۃ التحریم: ۸)

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۭ۝۱۳ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۱۴ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

ترجمہ: جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے، ان کا نور ان کے

سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، تمھیں آج خوشخبری ہے باغات کی جن کے نیچے بہتی ہیں، نہریں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں، ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ہماری طرف نگاہ کرو، ہم تمہارے نور سے (کچھ) حاصل کر لیں، کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پس (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، اس کا ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ وہ (منافق) اور (مسلمانوں) کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے ہاں (کیوں نہیں!) لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا، اور تم (مسلمانوں پر آفت کا) انتظار کرتے اور شک کرتے تھے، اور تمہیں تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور اللہ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دینے والے (شیطان) نے دھوکہ میں ڈالا۔ سو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا، نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانا جہنم ہے، یہ تمہارا رفیق ہے، اور بُری جائے بازگشت ہے۔ (سورۃ الحدید: ۱۲۔ ۱۵)

تصانیف اور قارئین کرام کے خطوط

۱۔ہم نے اسلام کیسے قبول کیا	1. How Islam touched their hearts
۲۔شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات	2. Speeches for an Inquiring Mind
۳۔اہلِ فکر کے لئے یاددہانی	3. Reminders for the people of Understanding
۴۔مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات	4. Historical Sites of Madina Munawwarah
۵۔مکّہ مکرمہ کے سبق آموز واقعات	5. Inspiring Events of Makkah Mukarramah

☆ امتیاز صاحب۔ میرا نام شہناز بیگم ہے۔ میں ایک برٹش انڈین مسلم ہوں۔ میری پیدائش اور نشوونما برطانیہ میں ہوئی مجھے آج تک نہ ہی کسی اسلامی ملک جانے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے اسلام سمجھنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہے گو میں تین سال کی عمر سے اسلامی تعلیم کے لئے ٹیوشن پڑھ رہی ہوں۔ البتہ میں نے آپ کی کتابوں کو مفید اور دلکش پایا۔ یہ کتب میرا بھائی اپنے شام کے سفر کے دوران لایا۔ ان کتابوں کی زبان سادہ ہے اور میرے لئے ان کا سمجھنے بہت آسان ہے۔ غالباً یہ اس لئے کہ آپ امریکی ہیں اور آپ کا طرز تحریر میرے لئے موزوں ہے۔ میں اس وقت یونیورسٹی لاء کی طالبعلم ہوں اور آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے اپنی دیگر تصانیف بھی ارسال فرما دیں۔ شہناز۔ برطانیہ ۵ نومبر ۲۰۰۱ء

☆ مجھے آپ کی کتاب 'Speeches for an Inquiring Mind' (شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات) پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ حدیث اور فقہ کے علاوہ انمول قرآنی تعلیمات سے مزین ہے۔ درحقیقت اس کتاب کے مضامین جنوبی افریقہ کے اسلامی اسکولوں کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس پوری کتاب کو کماحقہ یہاں شائع کر کے اسلامی اسکولوں کے سلیبس میں شامل کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ نذیر احمد تالیہ۔ جنوبی افریقہ ۶ جنوری ۲۰۰۲ء

☆ میں ایم۔ بی۔ اے ہوں اور بطور لیکچرر کام کررہا ہوں میں نے حال ہی میں ہندو مذہب

کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے آپ کی تین کتابیں (Speeches, Reminders, New Muslims) پڑھیں اور انہیں نہایت مفید اور آپ کے طرز تحریر کو مؤثر پایا۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ایسے نیک کاموں کو جاری رکھیں۔ محمد زبیر۔ انڈیا ۲۸ مئی ۲۰۰۳ء

☆ جونہی میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھنی شروع کی میں اسے آخری صفحہ تک پڑھے بغیر نہ چھوڑ سکا۔ یہ کتاب نہ صرف غیر مسلموں کے لئے مفید ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کو بھی تقویت دیتی ہے اور اُن کو موثر دعوت تبلیغ کے طریقے سے آشنا کرتی ہے۔ جعفر قاسم۔ زمبابوے۔ مارچ ۲۰۰۲ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اور اسے نہایت دلکش پایا۔ میں صرف یہ کہوں گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور ہم نوجوان مسلمات کو بھی آپکے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ سہادہ ماہامہ۔ گھانا افریقہ ۱۴ ستمبر ۲۰۰۱ء

☆ میں آپ کی کتاب Speeches پڑھ کر حیران رہ گیا کہ آپ نے بہت مشکل امور کو کتنے سادہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے مضامین وقتاً فوقتاً اپنے کمیونٹی کے اخبار میں شائع کر سکوں۔ محمود نورانی۔ کینیا۔ افریقہ ۲۸ جنوری ۲۰۰۱ء

☆ میں نے آپ کی صرف دو کتابیں پڑھی ہیں جو کہ یقینا عجیب وغریب ہیں۔ میں نے لاتعداد اسلامی کتب کا مطالعہ کیا ہے لیکن آج تک ایسی مفید، سادہ اور واضح طرز تحریر نہیں پائی۔ ان کتابوں کے مضامین میرے جیسی نوجوان مسلمات کے تجسس اور ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ ذکیہ۔ برطانیہ ۱۱ مارچ ۲۰۰۲ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی۔ اس نے میرے دل ودماغ پر ایسا اثر کیا کہ اس کے مطالعہ کے دوران میری آنکھوں سے بے ساختہ طور پر آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ میرے مسلمان بھائی اسلامی تبلیغ کا کام نہایت تن دہی سے

اسرانجام دے رہے ہیں۔ اوراس عمل سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ جبکہ مجھے بے حد شرمندگی ہوئی کہ میں وہ کام نہیں کررہا جو مجھے بحیثیت مسلمان کرنا چاہئے۔ عبدالرحیم بابران۔ فلپین ۲۳ اپریل ۲۰۰۳ء

☆ میں نے آپ کی کتاب 'Speeches' پڑھی جو کہ مدینہ میں حج کے دوران بطور ہدیے تقسیم کی گئی۔ مجھے کتاب پڑھ کر دلی مسرت ہوئی یقیناً آپ کی کتاب سبق آموز، تبلیغ کی شاہکار اور علمی لحاظ سے اعلیٰ ورافع ہے۔ اسلام کے فروغ کے لئے آپ کی حکمت اور دوراندیشی بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس خط کا مقصد یہ ہے کہ آپکی اجازت سے اس کتاب کو افریقہ کی لوکل زبان ہوسا (Hausa) میں ترجمہ کرسکوں۔ اس طرح سے پورا براعظم افریقہ اس سے مستفید ہو سکے گا۔ محمد الامین توقر۔ نائیجریا۔ افریقہ ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء

☆ میں نے آپ کی کتاب' ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اس نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ مجھ پر اسلام کی سچائی اور اہمیت مزید واضح ہوگئی۔ میں آج سے اسلام پر اور زیادہ کاربند ہونگی۔ اور آپ کی تعلیم وتبلیغ کی بے لوث خدمات سے بے حد متاثر ہوں۔ صفات بیگم۔ برما ۲ مئی ۲۰۰۳ء

☆ آپ کی کتاب Reminders قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بھرپور ہے۔ اس میں روز مرہ کے مسائل اور انکا حل درج ہے تاکہ انسان ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکے۔ کتاب کا سادہ بیان اور مؤثر طرزِتحریر قابلِ ستائش ہے۔ ڈاکٹر اصغر علی شیخ۔ مدینہ منورہ۔ جون ۲۰۰۱ء

☆ آپ کی کتاب 'Speeches' میری پسندیدہ اسلامی کتابوں میں سے ایک ہے۔ میں نے کتاب کے عنوان کو بہت دلکش پایا۔ طرزِتحریر اور بیان میں روانی بھی قابلِ تعریف ہے۔ اس کا ہر مضمون متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اب مجھے آپ کی کتاب Reminders بھی مل گئی ہے۔ یہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر شکیل فاروقی۔ مدینہ منورہ ۲۹ نومبر ۲۰۰۱ء

☆ میرا نام میڈور سلیمیٰ (Meddour Salima) ہے۔ میرے عمر ۱۹ سال ہے۔ میں نے

آپ کی کتاب 'ہم نے اسلام کیسے قبول کیا؟' پڑھی اور اسے بے حد دلچسپ پایا۔ میں حیران ہوں کہ ان نوجوانوں نے کیسے اسلام قبول کیا۔ پھر ان کی زندگیوں میں کیا تغیر آیا اور بالآخر انہوں نے اسلام کی خدمت کتنی خوبی اور محنت سے سرانجام دیں۔ میں دعا کرتی ہوں کہ میری شادی بھی کسی ایسے نوجوان سے ہو۔ میڈور سلیمیٰ۔ الجزائر دسمبر ۲۰۰۳ء

☆ امتیاز بھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک لڑکا عطا فرمایا ہے، میں نے اس کا نام آپکے نام پر امتیاز احمد رکھا ہے۔ مہربانی کر کے دعا کریں کہ یہ بھی آپکی طرح ذہین، مخلص اور مذہبی سوچ والا ہو۔ اور آپ کی دیگر خوبیوں کا حامل بھی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اسلامی خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کو جنت فردوس میں جگہ دیں۔ فاطمہ بیلو، ابوجا، نائیجیریا، ۱۹ جنوری ۲۰۱۲ء

☆ مجھے آپ کا ویب سائٹ Google سے ملا۔ میں نے آپکی کتب کو اسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے بہت مفید پایا۔ میں ان کا Malay زبان میں ترجمہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں Malay زبان کی سند یافتہ مترجم اور ایڈیٹر ہوں۔ پس آپ کی اجازت کی طلبگار ہوں۔ Puteri Suriyani Megat Wazir، ملائشیا، ۲۵ مارچ ۲۰۱۲ء

☆ میری شادی چار ماہ قبل ہوئی ہمیں بہت تحفے ملے۔ میرے چچا نے ہمیں آپ کا لکھا ہوا شادی کا خطبہ بطور تحفہ دیا۔ یہ سب سے اچھا تحفہ تھا۔ ہم دونوں اس سے اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔ عاکیف اے وہاب، سری لنکا، ۱۲ جنوری ۲۰۱۲ء

☆ میں نے آپکی کتاب Reminders پڑھی۔ آج تک میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ یہ ان سب سے اچھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان آپ کے بیان کردہ ملاقات کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں تو امت مسلمہ کی سماجی زندگی بہت بہتر ہوسکتی ہے۔ آپ کی کتاب اسلئے سب سے ممتاز ہے۔ کیونکہ اس کا طرز بیان بہت سادہ ہے اور ہر بات کی آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ میں اللہ کا شکرگزار ہوں، جس نے مجھے اس اسلامی تعلیم سے مزین کیا۔ ٦ جون ۲۰۱۱ء انس فاروق، پاکستان۔

ایک نئی مسلمہ کی ای میل (email)

برادرم امتیاز احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے ۲۰۰۵ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مجھے آپ کی کتاب Reminders ملی۔ اس سے مجھے روحانی طور پر بہت فائدہ ہوا۔ اس لئے میں نے آپ کی دوسری کتابیں بھی آپ کے ویب سائٹ سے پڑھیں۔ میری دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ میں ایک کے بعد ایک ورق الٹتی جاتی۔ درحقیقت آپ کی کتابیں بہت دلکش اور بنی نوع انسان کے لئے بے حد مفید ہیں۔ امتیاز بھائی، میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے یہ غیر معمولی کتابیں تصنیف کیں۔ جن سے مجھے اور میرے ملک کے دوسروں لوگوں کو بے حد خوشی اور دینی ترقی نصیب ہوئی۔

آپ یہ پڑھ کر حیران ہونگے کہ میں نے اسلام صرف آٹھ سال پہلے قبول کیا۔ مجھے اسلامی زندگی بہت پسند ہے۔ اب میں دل ہی دل میں سوچتی ہوں کہ میں نے اس سے پہلے ہی اسلام کیوں نہ قبول کیا۔ میرا اسلام کی طرف سفر بہت دلچسپ ہے۔ میں ۱۹۶۹ء میں ایک کرسچین (نصرانی) گھر میں نائجیریا میں پیدا ہوئی۔ ہم چھ بہنیں ہیں اور میرے دو بھائی ہیں۔ میرے والد صاحب میرے بچپن میں ہی ۱۹۷۲ء میں فوت ہوگئے۔ اور میری فیملی دو حصوں میں بٹ گئی۔ میری ماں اور میرے کچھ بھائی اور بہنیں ہمارے چچا کے پاس ایک دور دراز گاؤں میں منتقل ہوگئے، جبکہ میری دو بڑی بہنیں اپنی ممانی صاحبہ کے پاس شہر میں ہی مقیم رہیں۔ اس گاؤں میں میرے پرائمری اسکول کے قریب ایک بڑی مسجد تھی میں اکثر مسلمانوں کو صف بہ صف کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے دیکھتی۔ ان کی نماز کی ادائیگی کا طریقہ مجھے بہت اچھا لگتا اور مجھے اسلام میں بے حد دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میں اپنی ماں سے اکثر کہتی کہ میں مسلمان بننا چاہتی ہوں۔ وہ ہر بار مجھے سختی سے منع کر دیتی، میں اپنی اماں جان کو ہرگز ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں کرسچین ہی رہی۔ البتہ میں نے قسم کھائی کہ میں ایک نہ ایک دن ضرور مسلمان ہو جاؤں گی۔

میری بڑی دونوں بہنیں ایک مسلم محلہ میں مقیم تھیں۔ وہ اپنے اردگرد مسلمانوں کے صاف

ستھرے طرز معاشرت اور کردار سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئیں اور دو مسلمان نوجوانوں سے شادی کر لی۔ انہوں نے اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اب اپنے بچوں کی نہایت اعلیٰ طریقہ سے نشوونما کر رہی ہیں اور اپنی اسلامی زندگی سے بہت مطمئن ہیں۔

میری امی جان اپنے دامادوں کے حسن اخلاق سے بہت خوش ہوئی اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کو دیکھ دنگ رہ گئی۔ اس ذاتی تجربے کی بنا پر امی جان نے بھی مجھ سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ میری امی جان نے اپنے دیگر بچوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ عنقریب وہ خود اسلام کی خوبیاں دیکھ کر اسلام قبول کر لیں گے۔

اب میں نے بھی اسلامی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں اور گاہے بگاہے اسلام کے بارے میں سوال کرتی رہتی۔ میں دل ہی دل میں سوچتی کہ پانچ وقت نماز ادا کرنا۔ عربی زبان میں قرآن پڑھنا۔ رمضان میں روزے رکھنا اور عورت کا اسلامی لباس میں ملبوس رہنا بہت کٹھن چیزیں ہیں۔ پس ذہنی طور پر مجھے اسلام قبول کرنے میں بہت ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ گھر میں نماز کے وقت اپنی امی کو جگاتی لیکن اپنے آپ ذہنی طور پر تیار نہ کر پاتی۔ دراصل اس وقت میں کسی بھی مذہب پر کاربند نہ تھی۔ گویا میں ذہنی طور پر ایک گمشدہ عورت تھی۔

بالآخر ۱۹۹۷ء کے رمضان المبارک کے دوران مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس سے مجھے بہت خوشی اور سکون نصیب ہوا۔ میں نے ایسے محسوس کیا کہ میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اٹھ گیا ہے۔ آپ کو یہ پڑھ کر خوشی ہو گی کہ اب تک ہم میں سے پانچ بہنوں اور میرے ایک بھائی نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ علاوہ ازیں میری اماں جان کے کردار کو دیکھ کر میرے کئی رشتہ داروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ہم سب امی جان کو اسلام کی ملکہ مانتے ہیں، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سیدھے راستے پر قائم اور دائم رکھے۔ آمین۔

۱۵ رجون ۲۰۰۵ء Zulia Mohameed Nigera

نوٹ: یقیناً یہ ای میل ہم سب پیدائشی اور روائتی مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی یاددہانی ہے، میں حیران ہوں کہ نئے مسلمان اپنی سماجی اور گھریلو مشکلات کے باوجود کتنے اخلاص اور ہمت سے اسلامی فرائض کو سرانجام دیتے ہیں۔ کاش ہم روائتی مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اخلاص سرایت کر جائے۔ آمین امتیاز احمد

ہدیہ تبریک

عجب ہے مشیّت کا یہ کارخانہ
بھرے پیٹ کو پوچھتا ہے زمانہ

یہ نورانی راتیں منوّر اجالا
خدا جانے کب ہو مدینہ میں آنا

کتابیں بہت خوب اردو سلیس
ذہن فلسفی اور قلم مدبرانہ

نہ ہم جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں
تمہارا تعارف فقط غائبانہ

ہوا ایک ہفتہ میں نہ امتیاز
صد افسوس تابشؔ سے ملنا ملانا

سید انوارالحسن تابشؔ بھوپالی
بھوپال (انڈیا)
مسافر مدینہ منورہ، ۱۳؍فروری ۲۰۰۵ء